بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً)

اپنے رب سے گڑگڑا کر، خفیہ طور سے دعا مانگو

مسئلہ آمین

کتاب وسنت کی روشنی میں

محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد صاحب پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ مضمون جس کی توضیح وتشریح کتاب میں ہے

اہل جہر کی دلیل نعیم مجمر کی وہ حدیث ہے جس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی تو جہر سے بسم اللہ پڑھی، آمین کہی، اور ہر انتقال پر تکبیر ادا کی، نماز پڑھ کر فرمایا کہ میں نے ایسی نماز پڑھی جو حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے، اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: امام نسائی نے اس حدیث کو آمین بالجہر کے عنوان کے تحت نقل کیا، مگر اس حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت ظاہر نہیں، کیونکہ اصلاً یہ حدیث ایک صحابی کا عمل ہے، حضور تک مرفوع نہیں اور حضرت ابو ہریرہ کا اپنی نماز کو حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جمیع حرکات وسکنات میں مشابہ ہے، بلکہ تشبیہ عموماً بعض امور میں مشابہت کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ یہاں تکبیر انتقالات ہے نیز یہ حدیث معلول ہے اور نعیم مجمر ابو ہریرہ کے شاگردوں میں بسم اللہ کے جہر میں منفرد ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیثیں بھی جہر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حدیث وائل ابن حجر جس کو ابوداؤد وترمذی وغیرہ نے روایت کیا جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے آمین کے وقت آواز دراز کی۔

(۲) علی ابن صالح یا علاء ابن صالح اسدی کی حدیث جس کو ابوداؤد وترمذی نے روایت کر کے سکوت کیا، جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے آمین بلند آواز سے کہی۔

(۳) بشر ابن رافع کی حدیث جس کو ابوداؤد نے ان الفاظ میں روایت کیا حضور کے آمین کی آواز صف اول والوں نے سنا، اور ابن ماجہ کے الفاظ کہ مسجد گونج گئی۔

ان کا جواب: یہ روایت سفیان ثوری کی ہے، شعبہ نے اسی کو روایت کیا کہ پست آواز سے آمین کہی، اس لیے یہ حدیث قابل استدلال نہیں، اور بشر ابن رافع کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ بخاری ترمذی ونسائی نے بشر کی تضعیف کی ہے اور یہ مسجد چھپر کی تھی تو مسجد گونجی کیسے۔

اہل جہر ایک بات اور کہتے ہیں کہ جہر کی روایتوں کی تعداد زیادہ ہے، جیسے حضرت علی کی روایت اور ام حصین کی روایت جس میں ہے کہ میں نے آمین کی آواز عورتوں کی صف سے سنی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آمین بالسر کی حدیثیں بھی تو اسی طرح کثیر ہیں، چنانچہ حضرت عمر، حضرت علی اور جہر کے راوی سفیان ثوری، امام نخعی ان سب لوگوں کا مذہب بھی آمین بالسر ہے اور حضرت علی کی

حدیث جہر میں ابن لیلی نام کے راوی غیر معتبر ہیں، اسی طرح ام حصین اور وائل ابن حجر کی حدیث میں تعارض ہے کہ انہوں نے عورتوں کی صف سے آواز سنی اور انہیں مردوں کی صف سے بھی سنائی دی۔

الغرض احادیث جہر میں حضرت وائل کی حدیث نمبر ایک قابل سند ہو سکتی تھی، مگر اس میں بھی محفوظ روایت آواز کرنے کی ہے جس سے جہر کا ثبوت صریح نہیں، باقی روایتوں میں سر یا جہر روایت بالمعنی ہے اور راویوں کی اپنی اپنی تعبیر ہے، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: حدیث (۱) قابل استدلال ہوتی تو امام بخاری خاموش نہیں رہتے وہ ضرور اس کو جہر کے ثبوت میں پیش کرتے، انہوں نے پیش نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی قابل سند نہیں۔

برخلاف اس کے حنفی مذہب کا ثبوت کئی دلیلوں سے ہوتا ہے۔

(۱) قرآن کریم ﴿أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ [الاعراف: ۵۵] دعا آہستہ کرو، اور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ تو قرآن عظیم سے آمین کا آہستہ کہنا ثابت ہوا۔ اس پر اعتراض ہے کہ پھر ان قرآنی آیتوں کو کیوں بالجہر پڑھا جاتا ہے جس کا مضمون دعا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں دو پہلو ہیں۔ آیت قرآن، اور دعا، اور آمین صرف دعا ہے تو آیتوں میں جہر بحیثیت تلاوت کے ہے، دعا کے لحاظ سے نہیں، الحتصر قرآن عظیم سے آمین کا بالسر کہنا ثابت ہوا۔

دوسری دلیل وائل ابن حجر کی حدیث بروایت شعبہ ہے جس میں آمین بالسر کی تصریح ہے۔ اس حدیث پر آمین بالجہر والوں کے سات اعتراض ہیں اور ساتوں بے تکے، ان کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ ہو۔

(۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مقام ستی چک کے باشندوں میں سے کچھ لوگ قرأت جہری میں ﴿وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پر بلند آواز سے آمین کہنا جائز اور سنت رسول اللہ ﷺ بتاتے ہیں۔ اس پر عمرو نے کہا: یہ حکم پہلے کسی وجہ کے تحت تھا بعد میں منسوخ کر دیا گیا، لیکن دیگر لوگ اپنی بات پر اڑے رہے۔ چونکہ وہاں کچھ اہل سنت و جماعت کے ماننے والے ہیں ان سب باتوں سے واقف نہیں لوگ انہیں گمراہ کر رہے ہیں۔

المستفتی
مولوی محمد حنیف مقام و پوسٹ ستی چک چھپرہ (بہار)

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تاریخ: عربی زبان میں کلمہ ''آمین'' کا استعمال نزول قرآن عظیم کے پہلے سے جاری وساری

ہے۔ البتہ اہل لغت اس باب میں مختلف ہیں کہ یہ سریانی یا عبرانی زبان کا لفظ ہے، یا عربی و فارسی زبان کا۔
پہلے قول والوں کا کہنا ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی کلمہ نہیں ہے۔ یہ لفظ ہابیل و قابیل کے وزن پر ہے اس لیے انہیں زبانوں سے یہ لفظ عربی میں استعمال ہونے لگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فارسی لفظ ''ہمیں'' کو عربی بنانے کی جد و جہد میں عربی زبان کا جز بنا اور ''ہمیں'' سے ''آمین'' ہو گیا تو یہ لفظ فارسی الاصل اور عربی الوضع ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ عربی الاصل ہے۔ اس قول کی تشریح میں اہل زبان کے مختلف اقوال ہیں۔ یہ لفظ ''یا اللہ استجب دعائنا'' ہے (اے اللہ ہماری دعا قبول کر) اور بعض لغویوں نے اس کو اسم فعل قرار دیا ہے اور اس کے معنی ''ایسا ہو'' یا ''یا اللہ ہماری طرف متوجہ ہو'' یا ''ہمیں نا امید نہ کر'' یہ ساری بحث عمدۃ القاری شرح بخاری جز سادس ص ۴۷/۴۸ میں ہے۔

قرآن، ذکر یا دعا: تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلمہ ''آمین'' نہ قرآن کی کوئی آیت ہے نہ آیت کا جز، البتہ سورہ فاتحہ کے اختتام پر اس کا کہہ لینا سنت ہے۔[۱]

ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر اس لفظ کو اسمائے الٰہی میں شمار کیا ہے، لہٰذا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔[۲]

لیکن اس کی جو تعبیر کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے جو معنی مروی ہیں۔[۳]

اور جو تشریح اہل لغت نے کی ہے اس کے لحاظ سے یہ کلمہ دعا ہے۔[۴]

مذاہب علما: جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں سورہ فاتحہ کے خاتمہ پر نماز میں بھی آمین کہنا سنت ہے، البتہ امام دار الہجرۃ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نماز میں امام کو آمین کہنے سے منع کرتے ہیں۔[۵]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ''آمین بالجہر'' اور ''آمین بالسر'' دونوں مروی ہیں پہلے جہر کا قول کرتے تھے پھر سر کا قول فرمانے لگے۔[۶]

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہر کا قول مروی ہے۔[۷]

اور امام اعظم اور ان کے دونوں شاگردوں سے ''آمین بالسر'' مروی ہے۔[۸]

تاریخ تعامل: لگ بھگ گیارہ صدیوں سے پورے عالم اسلام کے سواد اعظم کا یہی حال رہا۔ اور بلا نکیر عقائد میں یہ چاروں مذہب متفق رہے، اعمال میں اپنے اپنے مکتب فکر پر عمل درآمد کرتے رہے۔ ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق کے بجائے کامل رواداری سے عرصہ دراز سے خاص حرم میں بھی یہ چاروں مصلے پہلو بہ پہلو قائم رہے۔

البتہ ساتویں صدی ہجری میں تقی الدین احمد ابن تیمیہ (۶۶۱/۷۲۸) نے اس اثور روشنی میں

اضطراب پیدا کرنا چاہا اور اصول ہوں کہ فروع پورے اسلام میں جمہور علمائے اسلام کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی، یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے قبر انور کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر معصیت اور حرام بتایا۔ انہوں نے ہی ائمہ اربعہ کے اجماعی مسئلہ کے خلاف یہ رائے ظاہر کی کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں گی۔ آپ کی اسی قسم کی آراء سے پورا عالم اسلام اتھل پتھل ہو گیا۔

علمائے اسلام نے ان سے مناظرہ کرنے کے لیے حضرت شیخ سراج ہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو باتفاق اپنا نمائندہ بنایا "مسئلہ حمویہ" میں مناظرہ ہوا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی حالت اس وقت پھدکنے والی چڑیا کی ہو گئی تھی، حتیٰ کہ شیخ سراج ہندی کو کہنا پڑا۔

ما اراك يا ابن التيمية الا كالعصفور اذا اردت ان اخذك ترتد من غصن الى غصن آخر۔۹

اے ابن تیمیہ آپ کا کیا حال ہے؟ کہ آپ پھدکنے والی چڑیا بن گئے ہیں جب میں آپ کو پکڑنا چاہتا ہوں تو پھدک کر اس ڈال سے اس ڈال پر بھاگ جاتے ہیں۔

آخر اس مسئلہ میں شکست کی وجہ سے انہیں جیل بھی جانا پڑا۔۱۰

الغرض ابن تیمیہ کے اس ہنگامہ کے دبنے کے بعد حالات اعتدال پر آ گئے۔ تا آنکہ تیرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں محمد ابن عبد الوہاب نجدی نے جو ابن تیمیہ کی طرح اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے انہیں کے خیالات سے متاثر ہو کر اسلام کے خلاف خروج کیا جو عام مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے اور ان کی جان و مال کو مباح قرار دیتے تھے۔۱۱

پھر انہیں خیالات سے متاثر ہو کر مولوی محمد اسماعیل دہلوی ۱۱۹۳ھ/۱۲۴۶ھ نے ہندوستان میں یہ خیالات پھیلائے، ان کی تعلیم کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں، اس لیے ہر آدمی کو قرآن و حدیث از خود سمجھنا چاہیے، اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔۱۲

جس کے نتیجے میں ایسے مولوی صاحبان نے بھی جنہیں علم دین میں کوئی مہارت نہ تھی، صرف زبان کی سدھ بدھ کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین پر لعن طعن کرنا اور ہر شرعی مسئلہ میں اپنی رائے کو دخل دینا شروع کیا اور ہر طرف جنگ و جدال اور فتنہ و فساد بین المسلمین کی آگ بھڑکانی شروع کی۔

مجموعی طور پر عامۃ المسلمین نے ابن تیمیہ کی طرح ان لوگوں کو بھی رد کر دیا ہوتا لیکن سعودیہ عربیہ کے حکمراں نے ان میں دم خم باقی رکھا ہے اور اب بھی یہ لوگ جگہ جگہ مسلمانوں میں اسی طرح فرعی باتوں فروعی مسائل میں فساد پیدا کرتے رہتے ہیں۔

آج کل "آمین بالجہر" "رفع یدین" "قرأت خلف الامام" وغیرہ مسائل پر فتنہ انہیں لوگوں نے جگایا ہوا ہے۔ ائمہ کے مقلدین جو اصل متبع سنت ہیں وہ تو اب خاموش ہیں اور ان مسائل کو وہی اہمیت دیتے ہیں جس کے یہ مستحق ہیں۔

ہم نے اپنے اس رسالہ میں مسئلہ "آمین" میں طرفین کے دلائل اور ان کی تنقید پیش کی ہے جس سے ہر انصاف پسند پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسئلہ آمین بالسر پر نکیر کرنے میں غیر مقلد حضرات کس درجہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ عام مسلمان جنھیں براہ راست قرآن و حدیث پر دسترس نہیں یا وہ عالم بھی جو درجۂ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے اس کے لیے یہی حکم ہے کہ اپنے امام کے قول کے موافق عمل کرے۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو۔ ۲۷ رشعبان ۱۴۱۰ھ

جہر کے دلائل اور ان کی تنقید

دلائل کی مختلف نوعیں ہیں:

نوع اول: وہ حدیثیں جن سے "آمین" کہنے کی فضیلت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن بلند آواز سے کہی جائے یا پست آواز سے اس کی کوئی تصریح الفاظ حدیث میں نہیں۔ مگر جہری حضرات کھینچ تان کر اس سے جہر ثابت کرتے ہیں تو پست آواز سے کہنے والے کہتے ہیں، اس طرح تو یہی حدیثیں "آمین بالسر" کا بھی ثبوت اور دلیل ہیں وہ حدیثیں یہ ہیں۔

"(الف) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا امّن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(ب) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوگا اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(ج) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: اذا قال احدکم امین قالت الملئکۃ فی السماء امین فوافقت احدھما الاخری غفرلہ ماتقدم من ذنبہ "۔۱۳

انہیں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی زمین پر آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں تو جس کی موافقت ان کے قول سے ہو جائے گی اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ان حدیثوں کو دیکھ کر ہر اہل علم یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے جس کا مدار حضرت ابوہریرہ صحابی رسول ﷺ پر ہے۔ یعنی حدیث دراصل ایک ہے۔ الفاظ کا جو اختلاف نظر آتا ہے یہ خود ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلوب بیان ہے کہ ایک ہی بات کو چند الفاظ میں ادا کیا اور تین پیرایہ بیان اختیار کیا، کہنا تو صرف یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنے کی یہ برکت ہے کہ قائل کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

اسی مضمون کو کبھی یوں بیان کیا کہ امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ کبھی یوں بیان کیا کہ امام جب ﴿ولا الضالین﴾ کہے تو تم آمین کہو اور کبھی یوں کہا آمین ملائکہ کی موافقت کرو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں باتیں خود رسول اللہ ﷺ نے تین موقعہ پر کہی ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ان تینوں طریقوں میں آمین کہنے کا ثبوت تو ضرور ہے، لیکن بلند یا پست کا اس میں کوئی ثبوت نہیں۔

چنانچہ انصاف پسند محدثین نے اس حدیث کا صرف یہی مطلب سمجھا اور اپنی کتاب میں اس کو اسی عنوان سے ذکر کیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہم پلہ ہیں۔ ان کی کتاب میں ان حدیثوں پر حسب ذیل سرخی قائم کی گئی ہے۔ باب التسميع والتحميد والتامين "سمع الله لمن حمده" "ربنا لك الحمد" اور آمین کا بیان ہے۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے مسلک کی جنبہ داری میں تہوّر کے درجہ پر فائز ہیں، انہوں نے ان حدیثوں پر حسب ذیل سرخیاں قائم کیں " باب جهر الامام بالتامين " امام کے آمین بالجہر کہنے کا بیان "باب تامين المأموم بالجهر" مقتدیوں کے آمین بالجہر کہنے کا بیان۔

آپ حیران ہوں گے کہ اس حدیث سے بھلا آمین بالجہر کا کہاں ثبوت ہو سکتا ہے اور امام بخاری نے کیسے یہ دعویٰ کیا تو جہری حضرات کی زبانی اس کی تقریر سنیے۔

امام کے جہر کی دلیل: پہلی روایت میں ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ تو جب تک امام زور سے آمین نہ کہے گا۔ تو مقتدی کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے آمین کہی۔ اس لیے امام کو آمین بالجہر کہنا ضروری ہوا۔!!

مقتدی کے جہر کی دلیل: دوسری روایت میں ہے: "اذا قال الامام ولا الضالين فقولوا

امیـــن" جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو۔ حدیث شریف میں لفظ قول آیا ہے اور قول بلند آواز سے
بولنے کو کہتے ہیں اس لیے مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہوا۔ ۱۵

ان دلیلوں پر مندرجہ ذیل تنقیدیں کی گییں۔

تنقید: (الف) پہلی روایت سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کو علمائے اصول فقہ کی اصطلاح میں استدلال باقتضاء النص کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جس چیز کو قرآن کی جس آیت یا جس حدیث سے ثابت کرنا چاہتے ہیں خاص اس کا ذکر تو آیت یا حدیث میں نہیں لیکن قرآن یا حدیث کے معنی درست کرنے کے لیے اس لفظ کا اضافہ ضروری ہے جیسا کہ اہل جہر نے مقتدیوں کے آمین سنا دینے اور سنانے کی غرض سے روایت میں لفظ جہر کا اضافہ کیا۔

ناقدین کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ضرورۃً زائد لفظ اضافہ کیا جا سکتا ہے، لیکن آپ نے ضرورت بتائی وہ بالکل مصنوعی اور غیر حقیقی ہے، کیونکہ مسئلۂ آمین میں تو از خود نیز رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے ہر مقتدی کو یہ معلوم ہے کہ امام "ولا الضالین" کے بعد آمین کہے گا۔ تو اب علاحدہ سے امام کے سنانے اور پکارنے کی کیا ضرورت، تو یہاں اس استدلال کا استعمال غلط اور بے موقع ہوا۔

(ب) دوسری والی روایت سے مقتدیوں کے آمین بالجہر پر استدلال کی حالت۔ پہلی حدیث کے استدلال سے بھی زیادہ واہی اور سقیم ہے۔ کیونکہ اس استدلال کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ لفظ قول کے معنی صرف بلند آواز سے کہنے کے ہوں جب کہ یہ ایک بالکل بے بنیاد بات ہے۔ عرب میں لفظ قول کا اطلاق جس طرح جہری بات پر ہوتا ہے اسی طرح سری بات کو بھی قول کہا جاتا ہے۔ قرآن عظیم میں ہے:

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [الملك: ۱۳]۔ ۱۶

آہستہ آہستہ قول کر، چاہے بلند آواز سے بے شک وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "عن ابی مسعود رضی الله تعالیٰ عنه اذا صلی احدکم فلیقل التحیات لله والصلوٰت "۱۷۔

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو "التحیات لله والصلوٰت " کا قول کرے۔

یہاں نماز میں "التحیات" پڑھنے کو لفظ قول سے تعبیر کیا جو باتفاق مادشما سری ہے اور آیت میں سر اور جہر دونوں کو قول سے تعبیر کیا گیا۔ ایسی صورت میں قول کو صرف جہر قرار دینا کس درجہ زیادتی اور تحکم ہے۔ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں: (ج) اگر احادیث مندرجہ بالا سے جہری حضرات

...لوج اور لہجہ استدلال کا حق رکھتے ہیں تو دوسری حضرات کو بھی بجا طور پر ان حدیثوں سے استدلال کا حق ... ہے اور یہ حدیثیں ان کے مقصد پر معقول دلیلیں ہیں۔

چنانچہ حدیث (۲) کے الفاظ ہیں "اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین" جب امام ... ولا الضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کی آمین آہستہ ہوگی ورنہ اسی کو ...سول اللہ ﷺ مقتدیوں کے آمین کہنے کا قرینہ قرار دیتے۔ امام کی آمین کو قرینہ نہ بنا کر کلمہ "ولا الضالین" قرینہ بنایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی آمین بالسر ہوگی۔

(۷) اصولِ زبان وبیان کے لحاظ سے اس حدیث میں تقسیم کار فرمائی گئی ہے۔ امام کا کام صرف "ولا الضالین" کہنا ہے اور مقتدیوں کا کام صرف آمین۔

چنانچہ اسی حدیث کو سند بنا کر امام دار الہجرۃ امام مالک علیہ الرحمہ نے یہ قول فرمایا کہ امام آمین نہ ...ے اور حدیث "اذا امن الامام" کا یہ جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کی جگہ پر ...نچے۔(۸)

ایسی صورت حال میں آمین بالجہر کی وہ بنیاد ہی ختم ہوگئی جس پر یہ دیوار کھڑی کی گئی تھی اور حدیث ...مذکورہ بالا سے صرف مقتدیوں کا آمین کہنا ثابت ہوا۔ اور جیسا کہ "التحیات" وغیرہ ادعیۂ ماثورہ میں قول ...کہنے سے سراً پڑھنا مراد ہے۔ یہاں بھی آمین کا سراً کہنا ہی قرین قیاس ہے۔

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث "اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین" کو امام احمد، امام نسائی، اور دارمی نے بسند صحیح روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ جس میں یہ الفاظ زائد ہیں "فان الامام یقولھا" جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو ...کیونکہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ امام کے آمین نہ کہنے والی بات صحیح نہیں اور اس پر جو بات ...کی گئی (یعنی مقتدیوں کی آمین بالسر) یہ بھی غلط ہے۔

جواب الجواب: حدیث شریف کے اس اضافہ نے جہاں اس امر پر روشنی ڈالی کہ امام بھی ...کہے گا وہیں اس امر کو بھی بالکل واضح کردیا کہ امام آمین پست آواز سے کہے گا۔ کیونکہ امام اگر جہر ...سے آمین کہتا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی، کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ یہ بات تو جبھی صحیح ...ہے کہ امام پست آواز سے کہے تو مقتدیوں کو غلط فہمی ہو کہ امام نے آمین کہی یا نہ کہی تو فرما دیا وہ بھی کہے گا۔

المختصر اگر حکم رسول میں آمین بالجہر مانا جائے تو حدیث کا یہ جملہ زائدہ جو صحیح روایتوں سے ثابت ...ے معنی ہو جائے گا اور اس جملہ کو صحیح مانیں تو آمین کو آہستہ کہنا لازم آتا ہے۔ اس لیے اہل سر اس قول

میں حق بجانب ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ سے آمین بالسر ثابت ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہوا کہ احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر ثابت ہوتا ہے تو جہر دونوں اور اگر ثبوت نہیں ہوتا ہے تو کسی کا بھی نہیں۔ اس لیے ان احادیث کو صرف آمین بالجہر کی دلیل دینا غلط ہے۔

نوع دوم: وہ حدیث جس کو امام بخاری اور مسلم نے تو نہیں روایت کیا لیکن ترمذی طیالسی، ابو یعلیٰ، طبرانی، دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا جس میں بالجہر اور بالسر دونوں کی تصریح ہے۔

وہ روایتیں جن میں جہر کا ذکر ہے:

"(۱) حدثنا بندار ، یحیٰ ابن سعید و عبد الرحمن بن مهدی ، سفیان ، سلمه بن کهیل ، حجر بن العنبس ، وائل بن حجر قال سمعت النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال امین ومدبها صوتها" ۱۹۔

بندار حضرت یحییٰ سے وہ اور عبد الرحمٰن سفیان ثوری سے وہ سلمہ بن کہیل وہ حجر ابن العنبس وائل ابن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "ولا الضالین" کے بعد آمین کہا اور آواز کو دراز کیا۔

شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: حدیث میں آیا ہوا لفظ " مدبها صوتها" آمین بالجہر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ مد کے معنی موضوع لہ جہر کے نہیں دراز کرنے کے ہیں۔ اور آواز کی دو قسمیں جہر اور سر یعنی اس لفظ کا لغوی ترجمہ ہوا " آواز دراز کی" اور جب سر بھی آواز ہی ہے تو دراز کرنا اس کی صفت ہوگی۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے آمین کو مد کے ساتھ ادا کیا، بالقصر نہیں۔ پس اس روایت سے بلند آواز کے ساتھ آمین کہنا ثابت نہ ہوا۔

اس کا جواب اور جواب الجواب ذکر کر کے ہم بحث کو طول دینا نہیں چاہتے اس لیے وہ روایت کا ذکر کرتے ہیں جس میں رفع صوت اور جہر صوت کا ذکر ہے۔

(۲) "محمد ابن کثیر ، سفیان ثوری ، سلمه بن کهیل ، حجر ابی العنبس ، وائل بن حجر کان رسول الله ﷺ اذا قرأ ولا الضالین قال امین و رفع بها صوته" ۲۰۔

حضور ﷺ نے "ولا الضالین" پڑھ کر بلند آواز سے آمین کہا۔

(۳) مخلد بن خالد الشعری ، ابن نمیر علی ابن صالح (اعلاء) سلمة ابن کہیل ، حجر ابی العنبس ، وابن حجر انه صلی خلف رسول الله ﷺ فجهر امین "۲۱۔

میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

(٤) "عن محمد بن سلمه، سلمه ابن کهیل، قالوا رفع صوته بآمین "٢٢۔

محمد بن سلمہ بن کہیل سے روایت کی آمین کے ساتھ آواز بلند کی۔

پست آواز سے آمین کی روایت: "شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابی العنبس عن علقمه ابن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين واخفى بها صوته ۔٢٣۔

(١) "وروى هذا الحديث" یہی شعبہ نے سلمہ بن کہیل انہوں نے حجر ابو العنبس انہوں نے علقمہ بن وائل انہوں نے وائل سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" کے بعد پست آواز سے آمین کہی۔

(٢) يحيٰ بن محمد بن صاعد، ابوالشعث، "يزيد بن ذريع. شعبه. سلمه بن كهيل عن حجر أبى العنبس عن علقمه بن وائل، وائل قال صليت خلف رسول الله ﷺ فسمعته حين قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين واخفى بها صوته "٢٤۔

یحیٰ بن محمد ابوالاشعث سے وہ یزید بن ذریع سے وہ شعبہ سے وہ سلمہ بن کہیل سے وہ حجر ابو العنبس سے وہ علقمہ ابن وائل سے اور وائل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو آپ نے ولا الضالین کہہ کر پست آواز میں آمین کہی۔

بادی النظر میں یہ چھ روایتیں ہیں لیکن اصل میں یہ ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جنہیں زندگی میں صرف دو بار تھوڑے دن کے لیے حضور ﷺ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت وائل کے بعد بھی تین درجہ تک ایک ہی ایک راوی ہیں۔ چوتھے درجہ پر حضرت سلمہ بن کہیل سے اس کو چار صاحبوں نے روایت کیا، حضرت سفیان ابن سعید ثوری، حضرت شعبہ ابن الحجاج بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علاء ابن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جن میں دو اول الذکر تو امامانِ فنِ حدیث اور مقتدایان اسلام ہیں اور علاء بن صالح کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ یحیٰ ابن معین ثقہ کہتے ہیں، علی ابن المدینی کا فرمان ہے "روی احادیث مناکیر" منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ٢٥

تقریب میں ہے: "صدوق له أوهام من السابعة" سچے تو ہیں مگر روایت کرنے میں وہم میں ہو جاتے ہیں۔ ٢٦

میزان الاعتدال للذہبی میں ہے: "من عنق الشیعة" یہ تو شیعوں کے سردار تھے؟ ان تعبیر سے ان کی روایت کا حال ظاہر ہے۔

چوتھے آدمی محمد بن سلمہ ہیں جو بالاتفاق ضعیف، واہی ذاہب الحدیث ہیں۔ [۲۷]

اس طرح دیکھا جائے تو اس روایت میں اصل اختلاف حضرت سفیان ثوری اور امام شعبہ میں ہے کہ اول الذکر جہر کے راوی ہیں اور آخر الذکر سر اور مخافت کی روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہی بزرگ علم رجال حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ پس انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یا تو دونوں کی عظمت خیال کر کے دونوں ہی رواتیوں کو صحیح کہا جاتا جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے۔

"وقد قال بعض العلما ان الخبرين بالجهر بها وبالمخافة بها صحيحان وعمل لكل منهما جماعة من العلماء" ۲۸۔

بعض علما فرماتے ہیں: جہر اور سر دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ہر ایک روایت پر علما کے ایک گروہ نے عمل کیا۔

یا ابن قطان کی طرح سے اختلاف شعبہ اور سفیان کی وجہ سے مضطرب قرار دے کر دونوں رواتیوں کو مہجور و متروک قرار دیتے۔ امام زیلعی فرماتے ہیں:

"وقد بين فى حديث وائل اضطراب من اربعة وجوه كلها يرجع الى اختلاف ثورى وشعبة فى الاسناد والمتن ۔ والحديث الى الضعف اقرب منه الى الحسن" ۲۹۔

یحییٰ بن سعید قطان نے اس حدیث وائل میں چار طرح کا اضطراب بتایا سب کی بنیاد ثوری اور شعبہ کا اختلاف ہے، اسناد میں بھی اور متن میں بھی۔ یہ حدیث "حسن" سے زیادہ "ضعیف" کے قریب ہے۔

لیکن ہوا یہ کہ ہزار جتن کر کے حدیث شعبہ کو ضعیف اور حدیث ثوری کو قوی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ اہل سر کو سنت کا مخالف ثابت کیا جائے۔ تنقید اور اس کا جواب ہم ذکر کرتے ہیں جس سے کئی ایک عبرتناک حقیقتیں سامنے آئیں گی۔

تنقید: (۱) امام شعبہ نے ایک راوی کا نام غلط لیا۔ اصلی نام حجر ابن العنبس ہے اور حضرت شعبہ نے ان کو حجر ابو العنبس کہا حالانکہ حجر کی کنیت تو ابو السکن ہے۔ انہیں ابو العنبس کہہ کر بیٹے کو باپ بنا دیا۔ [۳۰]

تنقید: (۲) حضرت شعبہ نے ابن العنبس اور وائل ابن حجر کے درمیان ان کے صاحبزادے علقمہ کا اضافہ کیا حالانکہ اصل حدیث سفیان کی روایت کے موافق ہے یعنی اصل حدیث براہ راست وائل

سے مروی ہے ان کے صاحبزادے کا واسطہ درمیان میں نہیں۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں تو نہیں البتہ کتاب العلل میں امام بخاری کے حوالہ سے اتنا مزید فرمایا:

"سئلت محمد بن اسماعیل هل سمع علقمة عن ابيه فقال انه وُلد بعد موت ابيه ستة اشهر" ۳۱۔

بخاری نے کہا کہ علقمہ اپنے باپ وائل کی موت سے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے اس لیے ان کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں۔

تنقید: (۳) امام شعبہ نے روایت لفظ "خفض بها" سے کی جب کہ اصل روایت "مدبها صوته" ہے۔ ۳۲

جواب تنقید: (۱) ان تینوں اعتراضوں کے موجد امام بخاری اور ناقل اور مؤید امام ترمذی ہیں بلاشبہ یہ حضرات فنِ جرح وتعدیل کے بھی امام ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ اعتراض یا تو کسی وہم کی بنیاد پر ان سے سرزد ہوئے یا بے جا تعصب نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حجر کی کنیت حسب روایت امام بخاری ابوسکن بھی ہے اور ابوالعنبس بھی، وہ ایک عنبس کے باپ ہیں اور ایک عنبس کے لڑکے بھی۔ اس لیے جس نے ابن العنبس کہا اس نے بھی صحیح نام لیا کہ حجر کے باپ کا بھی نام عنبس تھا اس لیے وہ ابن العنبس ہوئے اور جس نے ابوالعنبس کہا اس نے بھی صحیح کہا کہ وہ ایک عنبس کے باپ تھے اور کوئی ابوالسکن کہتا تو وہ بھی صحیح ہی کہتا۔ اس لیے امام شعبہ سے نام لینے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ امام عینی بحوالہ ابن حبان فرماتے ہیں:

"هو العنبس حجر ابن العنبس وجزم به ابن حبان في الثقات فقال كنيته كاسم ابيه وقول محمد يكنى ابالسكن لا ينافي ان تكون كنيته ابو العنبس لانه لا مانع ان يكون لشخص واحد كنيتان" ۳۳۔

یہ ابوالعنبس حجر ابن العنبس ہیں ابن حبان نے انہیں ثقات میں گنایا ہے اور کہا کہ ان کی کنیت ان کے باپ کے نام کی طرح ہے۔ اور امام بخاری کے ابوالسکن کنیت بتانے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی کی دو کنیت ہو۔

حضرت ابن حجر بھی تہذیب میں یہی باتیں فرماتے ہیں:

"حجر ابن العنبس ابو العنبس يقال له ابو السكن، وذكر ابن حبان في الثقات في التابعين ثم قال في اتباع التابعين حجر ابن العنبس ابو العنبس" ۳۴۔

حجر ابن العنبس ابو العنبس ہیں ان کی کنیت ابو السکن بھی ہے ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور ان کو تابعی یا تبع تابعی بتایا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں ہم حیران ہیں کہ اتنے بڑے بڑے اماماں فن کی اس غفلت کو ہم کس چیز سے تعبیر کریں جس چیز کے اتنے سارے ثبوت ہیں، اس کا اس صفائی سے انکار؟

ع خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

اور اگر اس کے بعد بھی اصرار ہے کہ حجر ابو العنبس صحیح نہیں ابن العنبس ہی صحیح ہے اور شعبہ کی روایت میں یہ لفظ ہونے سے وہ روایت ہی قابل جرح ہے تو مندرجہ ذیل حدیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟

"حدثنا محمد ابن کثیر اخبرنا السفیان الثوری عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس الحضرمی عن وائل ابن حجر قال کان رسول الله ﷺ اذا قرأ ولا الضالین قال امین ورفع بها صوته"۳۵۔

محمد ابن کثیر سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سلمہ ابن کہیل سے وہ حجر ابو العنبس حضرمی سے وہ وائل ابن حجر سے کہ رسول اللہ ﷺ "ولا الضالین" کہہ کر آمین بلند آواز سے کہتے۔

ہم نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ اگر شعبہ ابن العنبس کے بجائے ابو العنبس کہہ کر ناقابل اعتبار ہو گئے تو بروایتِ ابوداؤد حضرت ابو سفیان بھی تو اسی علت میں گرفتار ہوئے پھر ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

جواب تنقید: (۲) اس سوال کے دو پہلو ہیں: حضرت علقمہ اپنے باپ وائل کے انتقال کے چھ مہینے بعد پیدا ہوئے، ان کی ملاقات اپنے باپ سے ثابت نہیں۔ لیکن یہ حیرتناک حقیقت ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں بالکل بے اصل اور خلاف واقعہ ہیں۔ اس کی حقیقت خود امام ترمذی سے سنئے۔

"محمد بن یحیٰ ثنا محمد بن یوسف عن اسرائیل ثنا سماك بن حرب عن علقمة بن وائل الکندی عن وائل بن حجر عن ابیه ان امرة۔ (الحدیث) ۳۶۔

محمد بن یحیٰ محمد بن یوسف سے وہ اسرائیل سے ان سے سماک بن حرب نے وہ علقمہ وائل وہ وائل بن حجر وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ترمذی چونکہ علقمہ عن ابیہ پر اعتراض کر چکے تھے، اور یہاں اس کو سند میں پیش کیا تو صفائی

ارشاد فرماتے ہیں:

"علقمة بن وائل۔ ابن حجر سمع عن أبيه وهو اكبر من اخيه عبد الجبار بن وائل الحضرمی لم يسمع من ابيه لانه وُلد بعد ابيه لاشهر "۳۷۔

علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے سنا ہے اور یہ اپنے بھائی عبد الجبار وائل سے بڑے ہیں جنہوں نے البتہ اپنے باپ سے نہیں سنا ہے۔ یہ اپنے والد کی وفات کے کئی مہینہ بعد پیدا ہوئے۔

اللہ اکبر! کس درجہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ جو راوی کتاب العلل میں قابل جرح اور متروک تھا وہی مصنف کی دوسری کتاب ترمذی میں وہ تنقید سے پاک وصاف ہو گیا۔ انصاف کا یہ دوہرا معیار نہایت ہی افسوس ناک ہے۔ خیر یہ ثابت ہو گیا کہ علقمہ کی روایت اپنے والد سے صحیح ہے اوران کی لقا ثابت ہے یہی ہم کو بتانا تھا کہ حضرت شعبہ کی روایت پر یہ دوسرا اعتراض بھی بالکل غلط اور بے معنی ہے اوران کی روایت بے داغ ہے۔ حضرت امام عینی فرماتے ہیں:

"ان دخول علقمة فی الوسط ليس بعيب لانه سمع من علقمة اولا بنزول ثم رواه عن وائل بعلو بينهٔ الكهجی فی سنن الكبری "۳۸۔

ابن العتبس اور وائل کے بیچ میں علقمہ کا آجانا کوئی عیب نہیں، ابن العتبس نے باپ بیٹا دونوں سے ہی روایت سنی کبھی بلا واسطہ روایت کی کبھی بواسطہ۔ کجی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس کی توضیح کی ہے۔

جواب تنقید: (۳) تیسرا اعتراض کہ حضرت شعبہ نے "خفض بها صوته" غلط کہا ہے، اس میں یہ لفظ "مدبها صوته" ہے اس کی تائید امام دار قطنی نے بھی کہہ کر کی ہے۔ "وهم فيه شعبة" شعبہ کو اس حدیث میں وہم ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ اس کی بنیاد کیا ہے، کیا وہی دو تنقیدیں جو اوپر مذکور ہوئیں؟ ان کی تو غلطی بالکل واضح ہو چکی ہے بلکہ اس کو تنقید کا نام دینا ہی شرمناک ہے اور اس بنیاد پر حضرت شعبہ پر وہم کا یہ الزام بھی بے حقیقت، ورنہ پھر یہ سوال ہو گا کہ آخر شعبہ ہی کیوں وہم میں مبتلا ہوئے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ سفیان ثوری کو ہی وہم ہو گیا ہو۔ امام عینی فرماتے ہیں:

"وقول الدار قطنی وهم شعبة يدل على قلة اعتنائه لكونه غير معصوم موجود فی سفيان فربما يكون هو وهم "۳۹۔

اور دار قطنی کا یہ کہنا کہ حضرت شعبہ کو وہم ہوا اور انہوں نے جہر کے بجائے پست کہہ دیا۔ یہ دار قطنی کے قلت تدبر پر دلالت کرتا ہے کیونکہ معصوم تو حضرت سفیان بھی نہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ سفیان ہی کو

وہم ہو گیا ہو اور پست کے بجائے جہر کہہ دیا۔

تنقید: (۴) جی چاہے اس کو مستقل تنقید قرار دیا جائے اور جی چاہے تو اس کو امام عینی کے بھرپور سوال کا جواب قرار دیا جائے کہ خاص شعبہ کے لیے وہم کی بات اس لیے کہی جارہی ہے کہ حدیث میں ان کا رتبہ سفیان ثوری سے کم ہے۔ خود حضرت شعبہ کو اس کا اعتراف ہے۔ "ان سفیان احفظ منی" ۳۰

سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا سفیان کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

جواب تنقید: (۴) ہم تہذیب التہذیب سے ان دونوں بزرگوں کے حالات لکھتے ہیں جس سے ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون کس سے عالی ہے۔

حضرت سفیان ثوری: حضرت سفیان ثوری بن سعید کوفی ۹۷ھ/۱۶۱ر کوفہ میں سکونت تھی بصرہ میں وفات ہوئی۔ ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ علم، ورع اور زہد میں یکتائے روزگار تھے۔ حدیث معرفت، ضبط واتقان میں ممتاز تھے۔

تعدیل: شعبہ بن عیینہ، ابو عاصم ابن معین نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا۔ ابن مبارک نے ایک ہزار شیوخ سے افضل بتایا، وکیع نے اپنے سے بڑا حافظ کہا۔ وہب حضرت سفیان کو امام مالک پر ترجیح دیتے تھے۔ یحییٰ بن سعید قطان نے ان کو شعبہ پر مقدم گردانا، یہی خیال ابوداؤد اور یحییٰ بن معین کا ہے۔ اسی کے قریب امام احمد کا قول ہے، ابو حاتم، ابو زرعہ اور یحییٰ بن معین نے انہیں شعبہ سے بڑا حافظ بتایا۔ یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے بڑا مجتہد کہا۔

جرح: حضرت ابن معین کہتے ہیں ان کے مرسلات ہوا کے برابر ہوتے ہیں۔ حضرت صالح ابن محمد کہتے ہیں سفیان کی حدیثیں امام مالک کی حدیثوں سے زائد ہیں۔ لیکن امام مالک راویوں کی پرکھ کرتے تھے اور سفیان سبھی سے روایت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ایک حدیث کی روایت میں سفیان ثوری تدلیس کر رہے تھے، مجھے دیکھا تو کہا آپ سے روایت کرتا ہوں۔

حضرت شعبہ: ابن الحجاج بصری ۸۲ھ/۱۶۰ر زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے علم حدیث، شعر و نحو میں امام تھے۔ صدق، حفظ و اتقان اور نقد رجال میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ حضرت وکیع بن الجراح نے ان کے جنتی ہونے کی امید ظاہر کی۔ ابن معین نے ثقہ، مامون، ثبت اور حجہ کہا۔

تعدیل: حضرت سفیان ثوری اور حاتم نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا اور امام الائمہ بتایا اور اپنا استاذ مانا، امام احمد بن حنبل نے ان کو حضرت اعمش اور سفیان ثوری پر علم میں فضیلت دی اور فر

ان کے زمانہ میں علم حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ حدیث ٹھیک ٹھیک الفاظ میں بیان کرنا ان کا حصہ تھا، علم رجال میں پوری ایک قوم پر بھاری تھے۔

زیاد بن سلمہ نے کہا حدیث شعبہ سے سیکھو اور ابن زید نے کہا روایت شعبہ کی کوئی مخالفت کرے مجھے پرواہ نہیں۔ حضرت امام شافعی نے شعبہ کی تعریف کی۔ یحییٰ بن سعید قطان نے صرف شعبہ کو اور ابن ادریس نے دونوں کو احسن الحدیث کہا۔ یحییٰ نے طویل حدیثوں کی یادداشت میں شعبہ کو سفیان پر ترجیح دی شعبہ کو سفیان سے بڑا عالم رجال کہا اور سفیان کو شعبہ سے بڑا فقیہ، ابوداؤد نے سفیان ہی نہیں تمام محدثین سے احسن الحدیث شعبہ کو کہا۔

جرح: یہ نام لینے میں غلطی کرتے ہیں لیکن اس سے نہ حدیث کی مقبولیت میں فرق آتا ہے نہ ان پر اس میں کوئی عیب (ابوداؤد) عجلی کہتے ہیں کہ نام کی غلطی بھی کبھی کبھار ہوتی ہے۔ دار قطنی نے بھی نام کی غلطی کی بات کہی اور کہا یہ اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ دونوں ہم عصر بزرگ ہیں۔ فضائل میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زائد ہے اور کون کم ہے۔ امام شعبہ کی تعریف میں صدق، حفظ، اتقان اور نقد رجال میں امتیازی شان کے مالک کہا گیا تو سفیان ثوری کو بھی حفظ، معرفت، ضبط و اتقان میں ممتاز مانا گیا ہے۔ ان کو زہد و تقویٰ و ورع میں یکتائے روزگار مانا گیا تو امام شعبہ کو بھی حضرت وکیع جیسے بزرگوں نے جنتی گردانا۔ چند محدثین اگر سفیان ثوری کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں تو اسی درجہ کے لوگ بلکہ خود سفیان ثوری بھی حضرت شعبہ کو امیر المومنین فی الحدیث گردانتے ہیں۔

اگر کچھ لوگوں نے سفیان کو شعبہ پر ترجیح دی ہے تو کتنے اماموں نے صرف سفیان ثوری ہی پر نہیں اس زمانے کے تمام محدثین سے شعبہ کو افضل مانا ہے اور فرمایا کہ شعبہ کسی بات کی روایت کر دیں تو مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں حضرت شعبہ کی یہ خوبی بلا اختلاف ہے کہ نقد رجال میں ان کا درجہ حضرت سفیان سے بڑھا ہوا ہے اور متن حدیث کو یہ سفیان سے بہتر روایت کرتے ہیں۔

حضرت سفیان پر تین جرحیں ہیں۔ (۱) مراسیل بالکل ناقابل اعتبار (۲) یہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ (۳) یہ مدلس ہیں۔

اور حضرت شعبہ پر صرف ایک جرح ہے کہ ناموں کی صحت کا خیال نہیں کرتے۔ لیکن یہ بات قابل اعتراض نہیں اس پوری تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص ثوری کو شعبہ پر ترجیح دے وہ بھی اس حد تک کہ ان کے مقابلہ میں شعبہ کی روایت ترک کر دے تو ایسے شخص کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا

ہے۔ ع مجھ کو تو پسند ہے اپنی نظر کو کیا کہوں؟
لیکن اس کے لیے اتنی لمبی چوڑی بحث کی کیا ضرورت تھی سرے سے یہی کہہ دیتے ہمیں تو کہ بالجبر ہی پسند ہے۔

تنقید: جی چاہے اس کو بھی مستقل تنقید سمجھا جائے یا اوپر کی پیدا شدہ صورت حال کا جواب سفیان وشعبہ میں کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہو تو ہو لیکن یہ بات بالکل صاف ہے کہ سفیان کی روایت کو شعبہ پر ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ سلمہ بن کہیل کے تین اور شاگرد حضرت سفیان کی تائید کرتے ہوئے۔ "جهر بها صوته" روایت کرتے ہیں (جب کہ حضرت شعبہ پست کی روایت میں منفرد ہیں) جن کا ذکر اوپر گزر چکا۔ ایک علاء بن صالح دوسرے علی بن صالح تیسرے محمد بن سلمہ۔

"لو سلم ان حديث شعبة سالم عن الاضطراب فلفظ اخفي بها صوته فيه شاذ قد تفرد بهذا اللفظ شعبة خالف فيه ثلاث ثقات وضعيفا من الرواة جسلمة ابن كهيل وسفيان وعلى بن صالح وعلاء بن صالح محمد بن سلمة "٤١۔

اگر روایت شعبہ کو اضطراب سے سالم مان لیا جائے تو لفظ "اخفى بها صوته" شاذ ہے کیونکہ اس لفظ میں یہ منفرد ہیں۔ اور ان کی مخالفت پر تین ثقہ اور ایک ضعیف راوی ہے۔ علی، علاء، محمد، سفیان۔

تنقید (۵) کا جواب: روایت شعبہ پر شاذ کا حکم لگانا غلط ہے۔ اصول حدیث جکی مشہور ومتداول کتاب نزھۃ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں:

الشاذ ما رواه المقبول مخالفا لما هو اولى منه هذا هو المعتمدفي تعريف الشاذ بحسب الاصطلاح ۔٤٢

شاذ کی معتبر اور مستند تعریف یہ ہے کہ کسی مقبول راوی نے اپنے سے زائد مقبول راوی کے خلاف روایت کی ہو۔

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت شعبہ کی روایت کے مخالف جن جن حضرات نے روایت کی ان کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ وہ لوگ روایت حدیث میں حضرت شعبہ سے بلند پایہ ہیں۔

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ جن چار مخالف راویوں کا نام لیا گیا ہے ان میں سے ایک علی ابن صالح وہمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سرے سے انہوں نے یہ حدیث روایت نہیں کی کہ غلطی سے ابوداؤد نے علاء بن صالح کی جگہ علی ابن صالح کہہ دیا۔

"العلاء ابن صالح التيمي الاسدي الكوفي وسماه ابو داؤد في روايته على ابن

صالح وهو وهم "۴۳۔

علاء بن صالح تیمی اسدی کوفی ابوداؤد نے ان کا نام اپنی روایت میں علی بتایا یہ ان کا وہم ہے۔

تو صاحب مرعاۃ نے اس کو ایک مزید راوی بنا دیا یہ ایک ایسی جرأت ہے جو شاذ ہی نہیں منکر بھی ہے کہ کوئی بھی اس باب میں ان کا ہمنوا نہیں۔

ایک راوی محمد بن سلمہ ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں اور علاء بن صالح کا حال ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ وہ شیعوں کے سردار ہیں۔ یہ حضرات حضرت شعبہ سے اعلیٰ تر تو کیا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ پھر ان کی مخالفت کی بنیاد پر امام شعبہ کی حدیث کو شاذ گردانا کہاں کا انصاف ہے۔؟

لے دے کے حضرت امام سفیان ثوری رہ گئے۔ اس لیے گھوم پھر کر بات پھر اسی مرحلہ پر پہنچ جاتی ہے کہ شعبہ افضل ہیں یا ثوری اور اس پر گذشتہ اوراق میں کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اس وقت پوری حدیث "مدبھا" ہو یا "خفض بھا" مضطرب قرار پائے گی جیسا کہ ابن سعید کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے۔

آخری سہارا: یہ ساری بحثیں تو ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اعاظم محدثین روایت شعبہ کے بجائے روایت ثوری (رحمہما اللہ) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان شخصیتوں کی رائے کو تقدم اور حدیث سفیان کو ترجیح ہوگی۔

"وقال البیھقی قد اجمع الحفاظ البخاری وغیرہ علی ان شعبۃ اخطأ فی ھذا الحدیث فقد روی من اوجہ فجھر بھا" ۴۴۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حفاظ مثلاً بخاری وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ شعبہ نے اس حدیث کی روایت میں غلطی کی کئی وجہوں سے فجھر بھا مروی ہے۔

گذارش: سبحان اللہ! یہ کب سے الٹی گنگا بہنے لگی اور اجتہاد چھوڑ کے تقلید ہونے لگی اور علمائے حدیث کی رائے پر ایمان لایا جانے لگا۔ ساری بحث سامنے آگئی اور ان ائمہ ذی شان نے جو بے وجوہ ترجیح قائم کی تھیں ان کا سقم بلکہ صریح بطلان ظاہر ہو چکا۔ پھر اب ان کی رائے کی ترجیح کے لیے کیا رہ گیا اگر یہی تحقیق ہے تو اندھی تقلید کیا ہوگی جس کے خلاف پوری امت صف آرا ہے۔

المختصر: اس نوع دوم کی بحث کا خلاصہ بھی یہی نکلا کہ اگر حدیث ابن وائل سے تائید ہوتی ہے تو دونوں ہی فریق کی جیسا کہ بعض علما کے قول کے حوالہ سے اوپر ہم لکھ آئے ہیں اور اگر حدیث قابل استدلال نہیں تو دونوں فریق کے لیے جیسا کہ یحییٰ ابن سعید کے حوالہ سے ہم اوپر عبارت نقل کر آئے اس

لیے اصحاب جہر کو اس حدیث پر اترانے کا کوئی موقع نہیں۔

تنبیہ: حدیث ابن وائل سے استدلال میں اہل جہر کے لیے سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمین بالجہر کے قائل نہ تھے وہ خود آمین بالسر کرتے تھے۔[45]

اور قاعدہ یہ ہے کہ راوی کا عمل جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حکم خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے۔

نوع سوم: وہ روایتیں جن میں آمین بالجہر کا بیان ہے، لیکن وہ حدیثیں ضعاف ہیں کہ اس کے راوی مجروح ہیں۔

"(۱) محمد بن اسماعیل فارسی، یحیٰ بن عثمان بن صالح، اسحاق بن ابراهيم عمر ابن حارث، عبد الله ابن سالم زبیدی، زهری ابو سلمه وسعيد عن ابی هریرة كان النبی ﷺ اذا فرغ من قرأة أم القرآن رفع صوته وقال آمین"[46]۔

حضور ﷺ سے ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آپ جب قرأت اُمّ القرآن سے فارغ ہوتے تو بجہر آمین کہتے۔

اس حدیث کی سند کو دارقطنی نے حسن کہا۔ حاکم نے صحیح علی شرط الشیخین کہا اور امام بیہقی نے حسن صحیح کہا لیکن خود صاحب مرعاۃ کو اقرار ہے کہ اس حدیث میں اسحاق بن ابراہیم زبیدی ہیں ان کو نسائی نے غیر ثقہ بتایا اور ابو حاتم کہتے ہیں بڈھے ہیں گوار ہیں، لیکن لوگ اس سے حسد کرتے ہیں۔

یہ حاسد لوگ کون ہیں ایک نسائی کا نام مذکور ہوا۔ وہ فرماتے ہیں: "لیس بثقة" کہ ثقہ نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں: "لیس بشیء" یہ کچھ نہیں ہیں۔ محدث حمص محمد ابن عون کہتے ہیں "یکذب" جھوٹے ہیں۔ (میزان الاعتدال)

"وروى الآجری عن ابی داؤد ان محمد بن عون قال ما اشك ان اسحاق ابن ابراهيم ابن زبریق یکذب"[47]۔

آجری نے ابو داؤد سے روایت کیا کہ محمد بن عون کہتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم بن زبریق کے جھوٹے ہونے میں مجھے شبہ نہیں۔

ناظرین: اسی سے اندازہ لگائیں کہ کیا ایسے راوی صحیحین کے شرط پر صحیح اتر سکتے ہیں۔ یہی حدیث ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بشر بن رافع کی سند سے روایت کیا۔ نصر بن علی صفوان بن عیسیٰ بشر بن رافع

ابی عبداللہ عم ابی ہریرہ عن ابی ہریرہ۔

"قال کان رسول الله ﷺ اذا تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتیٰ یسمع من یلیه من الصف الاول" ۔۴۸

حضور ﷺ جب "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" پڑھتے تو آمین کہتے تو صف اول میں جو آپ کے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

"محمد بن بشار. صفوان بن عیسیٰ، بشر بن رافع. ابی عبد الله عم ابی هریرة عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال ترك الناس التامین وكان رسول الله ﷺ اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال امین حتی یسمعهٔ اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد" ۔۴۹

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا حضور جب "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" پر پہنچتے آمین کہتے یہاں تک کہ صف اول والے سن لیتے اور مسجد گونج جاتی۔

یہ روایتیں بھی نہ معنیً صحیح ہیں نہ لفظاً۔ معنی کا حال یہ ہے کہ دونوں روایتوں کے راوی تقریباً ایک ہیں مگر ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ جو نسبۃً محتاط ہیں اور ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ صف اول میں جو رسول اللہ کے قریب ہوتا وہ آپ کی آمین سن پاتا۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ پوری صفِ اول نہیں سن پاتی تھی لیکن ابن ماجہ جو اس درجہ محتاط نہیں ہیں وہ ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں "پوری صف اول سنتی تھی حدیہ کہ مسجد گونج اٹھی تھی" ان دونوں باتوں میں صاف تعارض موجود ہے۔ اس لیے یہ حدیث اپنے متن کے لحاظ سے مضطرب ہوئی۔ جو مردود اور نا قابل استدلال ہے۔ نخبۃ الفکر میں ہے۔

"من اقسام المردود المخالفة بابدل الہ ولا مرجح فهذا هو المضطرب" ۔۵۰

حدیث مردودہ کی ایک قسم مضطرب بھی ہے۔ جس میں راوی یا لفظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی کے لیے کوئی ترجیح نہیں ہوتی۔

روایت تنقید: راویوں کے اعتبار سے اس روایت کا حال یہ ہے کہ باتفاق جمہور محدثین بشر بن رافع ضعیف اور منکر الحدیث ہیں اور ابوعبداللہ مجہول ہیں۔ محمود بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "بشر ابن رافع الحارثی قد ضعفه البخاری والترمذی والنسائی واحمد وابن معین وقال سعید بن قطان بشر بن رافع ابوالا سباط الحارثی ضعیف وهو یروی عن ابی عبد الله عم ابی هریرة وابو عبد الله هذا لا یعرف حاله ولا یروی عنه غیر بشر والحدیث لا یصح

من اجلہ ۵۱۔

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد بن معین نے بشر ابن رافع کو ضعیف قرار دیا اور ابن قطان نے ضعیف اور ابو عبداللہ کو مجہول قرار دیا۔ بشر کے علاوہ کوئی ان سے روایت نہیں کرتا اور حدیث انہیں سے صحیح نہیں ہے۔

استدراک: جی ہاں بشر پر کچھ لوگوں نے جرح کی ہے لیکن کچھ لوگوں نے توثیق بھی کی ہے۔

"بشر ابن رافع وثقہ ابن معین وابن عدی وضعفہ غیر واحد وابو عبداللہ مقبول"۵۲۔

بشر ابن رافع کی ابن معین اور ابن عدی نے توثیق کی ہے اور کئی لوگوں نے ضعیف بھی کہا ہے۔ ابو عبداللہ کو تقریب میں مقبول کہا ہے۔

جواب: جرح اور تنقید کے اس طوفان میں ان دو صاحبوں کی توثیق کا کیا وزن اس کا پتہ چلے کے لیے ہم تہذیب سے ان دونوں راویوں کا حال تحریر کرتے ہیں بشر کے بارے میں ہے۔

دارمی: یحیٰی۔ حاتم۔ ابن اسماعیل نے انہیں ثقہ کہا میں نے تعجب ظاہر کیا تو بولے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن احمد: اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: "لیس بشیء ضعیف الحدیث" ان کی کچھ حقیقت نہیں یہ ضعیف الحدیث ہیں۔

امام بخاری: روایت میں کوئی بھی ان کی موافقت نہیں کرتا۔

ترمذی ونسائی: منکر الحدیث ہیں ان کی ایک حدیث بھی مستقیم نہ پائی۔

حاکم: لیس بقوی عندھم" علمائے حدیث کے نزدیک قوی نہیں۔

دار قطنی ، ابن عبد البر: منکر الحدیث ہیں ابن عبد البر یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث متروک ہونا متفق علیہ ہے۔ اس میں علما کی دو رائے نہیں۔

ابن کثیر: یہ طومار کے راوی ہیں۔

امام بخاری، ابن معین، ابن کثیر میں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ اور ابو الاوساط ایک ہی شخص ہیں یا دو فرد ہیں۔ اور بر تقدیر ثانی ابن رافع ابو الاوساط سے زیادہ منکر ہیں۔

ابو عبداللہ: ان کا نام عبدالرحمٰن اور باپ کا نام حضاض یا ابن حضاض ہے (ابو حاتم)

ان کے باپ کا نام معلوم نہیں یہ ضعفاء کے کوئی بزرگ ہیں۔ (ابو احمد)

یہ عبدالرحمٰن ابن صامت ہیں اور ثقہ ہیں۔ (ابن حبان)

صنعانی اور ہیں اور دوسی اور ہیں۔ ۵۳ (ابن عبدالبر)

اسی لیے ابن قطان نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کا پتہ ہی نہیں اس کے باوجود مستدلین کا یہ کہنا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور راوی مقبول ہیں شاید اس لیے کہ یہ معاملہ آمین بالجہر کا ہے۔

اسحاق ابن راہویہ نے تخریج کی کہ ام حصین بیان کرتی ہیں۔

"انها صلت خلف رسول الله و عليه وسلم فلما قال امين فسمعته في صف النساء"

ام حصین نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے آمین کہی تو عورتوں کی صف سے انہوں نے آپ کی آواز سنی۔

اس حدیث کو مجمع زوائد میں نقل کر کے فرماتے ہیں: اس حدیث میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہیں۔

استدراک: اسماعیل بن مسلم مکی مخزومی۔ اسماعیل بن مسلم بصری ثم مکی دو ہیں۔ ثانی الذکر صدوق ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سند میں یہ دوسرے والے ہیں ۔ کیونکہ زیلعی اور عینی نے بھی یہ روایت ذکر کی مگر اس پر کچھ جرح نہیں کی تو ان کی خوشی دلیل صحت روایت ہے۔ ۵۴

گذارش: سبحان اللہ کس درجہ حیرت انگیز بات ہے کہ تین اماموں نے جرح نہیں کی چوتھے نے جرح کیا تو تین کی خاموشی سے چوتھے کی جرح کو بے اعتبار بنا دیا۔ یہ منطق بالکل خانہ ساز ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ میں آتی کہ اس حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت ملتا ہے۔

صاحب مجمع الزوائد صاف صاف کہتے ہیں کہ اس سند میں ابو مسلم مکی ضعیف ہیں۔ ادھر بڑے اطمینان سے صرف اپنے گمان سے ان کی بات رد کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسماعیل بن مسلم بصری ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

مزید: یہ روایت اپنی موجودہ صورت میں روایت ابو داؤد کی معارض ہے کہ اس میں صرف اس کے سننے کی تصریح ہے جو صف اول میں حضورﷺ سے قریب ہوتا اور یہ حدیث بتاتی ہے کہ عورتوں کی صف سے میں نے سنا، تو ان دونوں میں صاف تعارض ہے وہ روایت مرد ابو ہریرہ کی اور یہ روایت عورت کی اس لیے بھی یہ روایت مرجوح اور ساقط ہے۔

حضرت مولا علی سے دو روایتیں حاکم نے بالفاظ "رفع صوته بآمین" اور ابن ماجہ نے "سمعته قال آمین" فرمایا۔ اور ان روایتوں کے بارے میں خود مستدلین کو اعتراف ہے کہ اس میں عبد الرحمن ابن لیلی آتے ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں۔ ۵۵

جب کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب بھی اس حدیث کے خلاف ہے

المختصر: نوع ثالث میں کل تین حدیثیں ہیں۔ بروایت ابو ہریرہ، بروایت علی، بروایت ام حصین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین۔ اور ان کے کئی کئی سلسلے ہیں لیکن نگاہ اٹھا کے دیکھ لیجئے ان میں ایک سلسلہ روایت بھی بے داغ نہیں۔ سب پر تنقیدیں ہیں اور شدید تنقیدیں مگر ادعا کا یہ عالم ہے کہ کہا جاتا ہے۔

"قد ورد فی الجهر احادیث کثیرة اکثرها صحیحة"۵۶۔

آمین بالجہر میں کثیر حدیثیں مروی ہیں جن میں اکثر صحیح ہیں۔ انا لله وانا الیه راجعون۔ اب دین میں بھی اس درجہ سیاسی پروپیگنڈہ شامل ہو گیا ہے، خدا کی پناہ۔ "اکثرها صحیحة لا لابل کلها ضعاف"

نوع چہارم: (۱) محمد ابن عبد الله بن الحکم، شعیب بن اللیث، لیث بن سعد، خالد بن یزید، سعید بن ابی هلال نعیم مجمر"

عمل صحابہ و تابعین: "صلیت وراء ابی هریرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحیم ثم قرأ بأم القرآن حتی بلغ "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" فقال الناس امین ویقول کلما سجد الله اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنین قال الله اکبر واذا سلم قال والذی نفسی بیده انی لا شبهکم بصلاة رسول الله علیه وسلم"۵۷۔

نعیم مجمر کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم الله الرحمن الرحیم پڑھ کر ام القرآن پڑھا۔ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پر آمین کہا سب لوگوں نے آمین کہی اور جب سجدہ کرتے اور رکعت کے بعد اٹھتے اللہ اکبر کہتے سلام پھیر کر کہا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے نماز میں میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ کے مشابہ ہوں۔

دعویٰ یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جہر فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جہر فرمایا اور ان کے پیچھے صحابہ و تابعین نے آمین بالجہر کہا۔

"وثبت من هذا الحدیث الصحیح أنه صلی الله علیه تعالیٰ وسلم کان یجهر بالتامین وثبت منه أیضا أن الصحابة والتابعین کانوا یجهرون بالتّامین"۵۸۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی آمین بالجہر فرماتے اور صحابہ وتابعین نے بھی آمین بالجہر کیا۔

تنقید: اس حدیث کو مرفوع اور صحیح کہنا صحیح نہیں۔ امام زیلعی نے اس پر مندرجہ ذیل تنقیدیں کی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آٹھ سو شاگردوں سے صرف اکیلے نعیم مجمر نے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔ لہٰذا وہ اس باب میں متفرد ہوئے۔

(۲) اگر یہ حدیث اس پایہ کی ہوتی تو امام مسلم و امام بخاری اس مسئلہ میں اتنے متشدد ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر حضرت ابو ہریرہ کے دوسرے شاگردوں کی روایت نہ نقل کرتے۔ اور معرض بیان میں عدم ذکر، ذکر عدم کے حکم میں ہوتا ہے۔ "وروینا عن الدار قطنی انه قال لم یصح عن النبی ﷺ فی الجهر شیٔ" (فتح القدیر جلد اول ص/۱۵۵)

(۳) اس حدیث کے اس ٹکڑے کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ میری نماز رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔ پوری حدیث کو مرفوع قرار دینا زیادتی ہے۔ نہ تشبیہ کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جمیع کم وکیف مشبہ مشبہ بہ کے مثل ہو۔ نہ اس حدیث میں یہ ممکن کیونکہ اس حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔

(ا) بسم اللہ پڑھنا (ب) سورہ فاتحہ کی تلاوت (ج) آمین کہنا (د) تکبیرات انتقالات

اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ بالجہر پڑھی تو انہوں نے کم از کم ایک بات میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی مشابہت ترک کی۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں الحمد سے قرأت شروع کرتے تھے۔ تو عین ممکن ہے کہ اس طرح آمین بالجہر میں بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مشابہت ترک کی ہو اور مشابہت کا دعویٰ صرف دو باتوں قرأت فاتحہ اور تکبیرات انتقال میں ہو۔

(۴) یہ حدیث آمین بالجہر کے باب میں صریح نہیں کیونکہ پوری حدیث میں ایک بھی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ابو ہریرہ یا ان کے مقتدیوں نے آمین بالجہر کی ہو۔ صرف اس گمان پر کہ حضرت نعیم مجمر نے سنا ہوگا تبھی تو روایت کی اور سنا ہوگا تو آمین بالجہر ہی رہی ہوگی۔ آمین بالجہر کا حکم لگانا ٹھیک نہیں کہ نہ سننے کے لیے جہر ضروری نہ بیان کرنے کے لیے سننا ضروری۔ آخر سبحانک اللھم اور تسبیحات رکوع بھی تو جہری نہیں مگر روایتوں میں یونہی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا: وهذا غیر مستلزم للجهر لجواز سماع نعیم مع اخفاء ابی هریرة (فتح القدیر ص ۱۵۵/ ج/۱)

پس حدیث اولاً مرفوع نہیں ایک صحابی کا عمل ہے تو جانب سر میں بھی بے شمار صحابہ کے اعمال موجود ہیں۔ ثانیاً یہ حدیث باب جہر میں نص نہیں تو اس سے جہر پر استدلال غلط۔ ثالثاً نعیم مجمر اس روایت میں منفرد ہیں۔

(۲) عبد الرزاق ابن جریج قال قلت لعطاء اکان ابن الزبیر یؤمّن علیٰ اثرام القرآن قال نعم یؤمن ویؤمّن مَن ورائه حتی ان للمسجد للجة"۵۹۔

میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ عبداللہ بن زبیر آمین کہتے تھے؟ کہا ہاں! وہ بھی آمین کہتے تھے اور جوان کے پیچھے پڑھتے وہ بھی آمین کہتے حتی کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔

اثر نعیم مجمر اور اثر ابن زبیر سے یوں استدلال ہے۔ ان دونوں صحابی کے فعل پر جب کسی نے نکیر نہیں کیا اور سب موجودین نے ان کی اتباع کی تو یہ اجماع ہو گیا۔

"ان ابن زبیر أمّن بالجهر فی المسجد لم یُنکر علیه احدو کان اجماعاً منهم علی الجهر بالتامین "۶۰۔

ابن زبیر نے مسجد حرام میں آمین کہی اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو آمین بالجہر پر اجماع ہو گیا۔

جواب: آدمی اگر دوسرے کے طریقہ استدلال سے مطمئن نہ ہو تو خود اپنے دعویٰ کے اثبات میں اسے برتنا نہیں چاہیے۔ آپ جب مسئلۂ اجماع میں حنفیوں کے ہمنوا نہیں تو اس موقع پر اجماع کا دعویٰ بھی بے سود ہے۔ ثانیاً ایک کا قول اور بقیہ لوگوں کا سکوت اس وقت اجماع قرار دیا جاتا ہے جب سلف سے کوئی اختلاف مروی نہ ہو اور مسئلہ دائرہ میں تو وافر تعداد میں صحابہ اور تابعین کا خلاف مروی ہے۔ نوع سوم میں ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بحوالہ ابن ماجہ نقل کر آئے ہیں جس میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتراف فرماتے ہیں: "ترك الناس التامین" لوگوں نے آمین چھوڑ دیا۔ اس اقرار کے باوجود حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابن زبیر کے فعل سے اجماع کیسے ثابت ہوگا؟ بلکہ اس روایت سے تو یہی تاثر ہوتا ہے کہ عام روش ترک جہر ہی تھی۔ ان حضرات کا فعل شخصی اور جزئی تھا۔ اس لیے اس کو اجماع کہنا تو دور کی بات ہے عمل جمہور کے خلاف کہنا چاہیے۔

ثالثاً: ایسے اجماع کی پوزیشن ان حدیثوں سے کوئی زائد مضبوط نہیں جو آپ نے ماسبق میں نقل کی ہیں لہٰذا یہاں لفظ اجماع کا استعمال برمحل نہیں۔

پوری بحث ایک نظر میں: یہاں تک آمین بالجہر والوں کے دلائل اور ان کی تنقیدات کا

ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے چند احادیث اور عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے۔ ابو ہریرہ حدیثیں وائل بن حجر، حضرت علی، ام حصین سے مروی ہیں۔ ان میں جو حدیثیں صحیح ہیں ان میں جہر کا کہیں ذکر نہیں اور جن حدیثوں میں صراحۃً جہر کا ذکر ہے وہ سب ضعیف ہیں بلکہ حدیثوں کا مدار یوں پر ہے جن میں کوئی طبقہ سادسہ کا ہے، کوئی تاسعہ، کوئی عاشرہ کا۔

اور عمل صحابہ میں دونوں ہی قسم کی روایتیں موجود ہیں جس سے صاف روشن ہے کہ اہل جہر کے مضبوط دلائل نہیں۔ البتہ دعویٰ نہایت بلند بانگ اور گرجدار ہے۔

سر کے دلائل تنقید اور جواب

نوع اول، قرآن سے استدلال: جمہور کا قول یہ ہے کہ آمین دعا ہے۔ جیسا کہ ہم میں اس کا حوالہ تحریر کر آئے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وّخفیۃ﴾ اپنے سے گڑگڑا کر خفیہ طور پر دعا مانگو۔ پس اس دعا آمین کو بھی خفیہ آواز میں ادا کرنا چاہئے۔

اس دلیل کا کبریٰ تو قرآن عظیم کی آیت ہے۔ جس کے ثبوت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور صغریٰ یعنی آمین کا دعا ہونا۔

(ا) جمہور کا قول ہے: ۶۱

(ب) قرآن عظیم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خطاب ہوا۔ ﴿اجیبت دعوتکما﴾ دونوں کی دعائیں مقبول ہوئیں اور روایتوں میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام صرف آمین آمین کہتے تھے تو قرآن عظیم سے آمین کا دعا ہونا ثابت ہوا۔ ۶۲

(ج) امام بخاری نے حضرت عطاء سے نقل کیا کہ آمین دعا ہے۔ ۶۳

اور جب یہ دعا ہے تو بحکم قرآن پست اور آہستہ کہنا چاہئے، یہ کتاب اللہ سے استدلال ہے جو سنت پر مقدم ہے اور جہری حضرات کا دامن اس سے خالی ہے۔

اعتراض: جہری حضرات نے اس پر دو اعتراض کیے۔

(ا) صغریٰ کا انکار یعنی ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ آمین دعا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کا طابع یعنی خاتم قرار دیا ہے اور یوں بھی یہ اصل دعا نہیں ہے دعا کا پیوند ہے اور جب دعا نہیں تو بحکم قرآن آہستہ کہنا بھی نہیں۔ ۶۴

جواب: جہریات پر الٹا سیدھا کچھ نہ کچھ تو کہا ہی جا سکتا ہے، لیکن ایک عام آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے "سے دعا کا طابع اور خاتم مانتو یا" "ت" سے دعا کا تابع اور پیوند طابع اور خاتم ہوتا دعا ہونے

کے منافی ہے، نہ تابع اور پیوند ہوتا۔ دونوں صورتوں میں یہ لفظ دعا ہی رہے گا۔

سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور "آمن الرسول" سے آخر سورت اصطلاح شرع میں خواتیم سورہ بقرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ خاتم ہونے کی وجہ سے رسولوں کے زمرے سے خارج ہو گئے، یا یہ آیتیں خاتم ہونے کی وجہ سے قرآن اور سورہ نہیں رہیں، ہمارے رسول ﷺ خاتم النبیین ہو کر بھی نبی رہے اور آیتیں خاتم بقرہ ہو کر بھی بقرہ کا جز رہیں تو آمین دعا کا خاتم ہو کر بھی دعا ہی رہے گی اور بحکم قرآن آہستہ کہی جائے گی۔

(ب) کبریٰ کا انکار: معلوم ہوتا ہے کہ اس موقف کی کمزوری سے جہری حضرات خود واقف تھے اس لیے دوسری شق اختیار کی کہ دعا ہو تب بھی آہستہ نہ کہنا چاہئے آخر سورۃ الحمد شریف بھی تو دعا ہی ہے۔ اس کو تمام جہری نمازوں میں بالجہر ہی پڑھا جاتا ہے اسی طرح آمین کو بھی دعا ہونے کے باوجود بالجہر کہا جائے گا۔

جواب: الحمد شریف دعا ہونے کے ساتھ ساتھ کلام اللہ بھی ہے اور اس کو بالجہر پڑھنا خود قرآن سے ہی ثابت ہے، احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ الحمد شریف کو بالجہر کلام اللہ ہونے کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے اور آمین نہ قرآن، نہ اس کا جز، خالص دعا، پس اس کو الحمد پر قیاس کر کے کیوں بالجہر پڑھا جائے اور قرآن کی حکم عدولی کی جائے۔

معذرت: اصل میں حکم قرآن اپنی جگہ برحق ہے لیکن ہم نے ان حدیثوں کی وجہ سے یہاں حکم قرآن کو مخصوص کر دیا ہے کہ ہماری ذکر کی ہوئی حدیثوں سے آمین بالجہر ثابت ہے لہذا آمین کا حکم دیگر دعاؤں سے علاحدہ ہوگا۔

جواب الجواب: اس معذرت سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

(ا) قائلین جہر کے پاس کوئی آیت نہیں جسے "اہل سر" کی طرح یہ لوگ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر سکیں۔

(ب) ان کا سارا سرمایہ وہی ضعیف حدیثیں ہیں جن کا تفصیلی بیان گذشتہ صفحات میں گزرا، اس کے سہارے ان لوگوں نے اتنی بڑی جرأت کر ڈالی کہ قرآن کے عام حکم کو خاص کر ڈالا کیونکہ صاحب مرعاۃ کا آخری جواب یہی ہے۔

ولو سُلم ان آمین دعاء بالاصالة فنقول ان الجهر بالتامین مخصوص منه لاحاديث الجهر بالتامين "٦٥"۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ آمین اصالۃً دعا ہے تو میں کہوں گا کہ آمین بالجہر کو قرآن کے حکم عام سے احادیث جہر کی وجہ سے خاص کر لیا گیا ہے۔

اسی سے یہ امر واضح ہو گیا کہ "اہل سر" کا دعویٰ قرآنی آیات کی ٹھوس چٹان پر قائم ہے جب کہ "صاحبان جہر" اپنے مدعا کے ثبوت میں احادیث ضعاف کا سہارا لیتے ہیں۔

نوع ثانی احادیث بخاری وغیرہ سے استدلال

گذشتہ صفحات میں "ہم بھی منھ میں زبان رکھتے ہیں" کے عنوان سے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ حدیث ابی ہریرہ سے جس طرح جہری صاحبان استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح یہی روایت اصحاب سر کی بھی دلیل ہے اور حق یہ کہ ان کا استدلال قوی ہے۔ حدیث ابی ہریرہ بخاری شریف میں ان الفاظ میں بھی مروی ہے۔

"عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" فقولوا امين"٦٦۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ کہے تو تم لوگ آمین کہو۔

اس حدیث مبارک میں مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے "ولا الضالین" کہنے پر معلق کیا گیا ہے اگر امام بھی آمین بالجہر کہتا تو قرین قیاس یہی ہے کہ آمین امام پر ہی مقتدیوں کے آمین کو معلق کیا جاتا جیسا کہ حدیث مبارک "انما جُعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا" امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ میں امام کی تکبیر پر مقتدی کی تکبیر کو معلق کیا گیا "ولا الضالین" پر معلق کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آمین بالجہر نہیں ہوگی "ولا الضالین" ہی بالجہر ہوگی۔٦٧

(١) "اسماعيل بن مسعود ، يزيد بن زريع ، معمر ، زهرى ، سعيد ابن مسيب عن ابى هريرة قال : قال رسول الله اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا امين فان الملئكة تقول امين والامام يقول امين"٦٨۔

اس حدیث کو احمد، دارمی، اور ابن حبان نے روایت کیا سند اس کی صحیح ہے

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آمین اتنی زوردار ہو کہ مسجد گونج اٹھے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ امام بھی آمین کہے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طرح مقتدی کے لیے امام کی آمین بھی سماع سے بالاتر ہوگی اس لیے "ولا الضالین" کے لیے آمین کہنے کی جگہ بتا دی اور فرشتوں اور امام دونوں

کے بارے میں اطلاع دے دی کہ وہ بھی آمین کہیں گے۔

اس دلیل کی قوت: صاحب مرعاۃ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ دلیل صحیح ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"وهذا قد كان يجوز ان يستدل به لو لم يكن ذلك مذكوراً في حديث وائل بن حجر الذي تقدم ذكره واذا كان كذلك لم يكن فيما استدلوا به طائل"٦٩۔

یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا کہ وائل ابن حجر کی حدیث میں جہر کی تصریح نہ ہوتی اور جب ذکر ہے تو اب استدلال میں کوئی فائدہ نہیں۔

ہماری معروضات: اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ یہ استدلال درست تو ہے لیکن یہاں قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس حدیث سے "آمین بالسر" کا ثبوت ضمناً ہے اور حدیث وائل ابن حجر سے آمین بالجہر کا ثبوت صراحۃً ہے اور صریحی دلالت کی موجودگی میں ضمنی دلالت قابل قبول نہیں۔ لیکن گذشتہ صفحات سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اگر حدیث وائل سے آمین بالجہر کا ثبوت صراحۃً ہے تو "آمین بالسر" کا ثبوت بھی صریحی ہے اس لیے بقول صاحب مرعات اب تو یہ دلیل قابل قبول بھی ہے۔

البتہ ہماری مزید گزارش یہ ہے کہ جہر کی تصریح میں حدیث وائل پر اعتماد ظاہر کر کے یہ اقرار کر لیا گیا کہ خود حدیث ابو ہریرہ میں جہر کی کوئی تصریح نہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کو گذشتہ صفحات میں ہم نے ظاہر کیا ہے کہ خود حدیث ابو ہریرہ میں جہر یا سر کی کوئی تصریح نہیں اس لیے اس کو جہر کی دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں۔

ثانیاً: معلوم ہوا کہ اصحاب جہر کی کل پونجی وہی حدیث وائل بن حجر ہے جس میں جہر کی طرح مخافت کی بھی تصریح ہے اور جو نفی اور اثبات کے درمیان جھول رہی ہے پس ایک ایسی حدیث پر اعتماد کر کے صحیح حدیث کے مقتضی کو رد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

یہ امر ہر شخص پر خود ہی روشن ہے۔ ہم اگر کچھ کہیں تو شکایت ہوگی۔

ع ہم اگر شکر کریں گے تو شکایت ہوگی

المختصر: اصحاب سر کی دلیل اول بے مزاحمت ہے کہ ان کی بات آیات قرآنی سے ثابت ہے۔ جب کہ آمین بالجہر والوں کے پاس کوئی آیت نہیں جس سے وہ آمین بالجہر ثابت کریں اور اہل سر اصحاب جہر کی دلیل نوع اول میں مزاحم ہیں کہ حدیث ابی ہریرہ جس کو جہر کے ثبوت میں پیش کیا گیا تھا۔ "آمین بالسر" پر بھی دلالت کر رہی ہے جس کی مقبولیت مخالف کو مسلم ہے۔ البتہ اس کو قبول نہ کرنے کا وہ عذر بیان

کرتے ہیں جو در حقیقت عذر لنگ ہے تو نوع ثانی میں اصحاب سر کا پلہ ہی بھاری رہا۔

دلیل نوع ثالث حدیث وائل ابن حجر

شعبه ، سلمه بن کهیل ، حجر ابی العنبس ، علقمه بن وائل عن ابیه

"انه صلی مع النبی ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال امین واخفی بها صوته ولفظ الحاکم وخفض بها صوته" ۷۰۔

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ "ولا الضالین" پر پہنچے تو آپ نے خفی آواز میں آمین کہی۔ حاکم نے روایت کیا آمین بالسر کہی۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، ابوداؤد وطیالسی، ابویعلی، موصلی نے اپنے اپنے مسانید میں اور طبرانی نے معجم میں، دار قطنی نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے مگر مسلم و بخاری نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اس حدیث کے سلسلہ میں ہمیں مزید کچھ کہنا نہیں اس سلسلہ میں طرفین کے تفصیلی بیان سے گزشتہ اوراق مزین ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث وائل ابن حجر اگر قابل استدلال ہے تو اہل جہر اور اہل سر دونوں کے لیے اور نا قابل استدلال ہے تو دونوں کے لیے اس طرح دلیل کی اس نوع میں دونوں گروہ مزاحم ومساوی ہیں

نوع رابع احادیث محتملہ

(۱) یزید ، سعید ، قتاده ، حسن ، شمرة بن جندب

"ان سمره بن جندب وعمران ابن حصین تذاکرا فحدث سمرة انه حفظ من رسول الله ﷺ سکتتین سکتة اذا کبر و سکته اذا فرغ من قرأة غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فحفظ ذلك سمرة وانکر عمران فکتبا فی ذالك الی اُبی بن کعب فکان فی کتابه او فی رده الیهما ان سمرة قد حفظ" ۷۱۔

سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین مذاکرہ علمیہ کر رہے تھے۔ سمرہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو خاموشی یاد رکھی ایک اللہ اکبر کے بعد اور ایک ولا الضالین کے بعد، عمران نے ان کا انکار کیا تو ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا انہوں نے خط میں یا جواب میں یہ تحریر کیا کہ سمرہ نے یاد رکھا۔

(۱) ابن المثنی ، عبد الاعلی ، سعید ، قتاده ، حسن ، سمره۔

"قال سکتتان حفظهما من رسول الله قال سعید قلنا ما هاتان قال اذا دخل فی

الصلوٰة واذا فرغ من القرأة وقال بعد اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين "۷۲۔

حضرت سمرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے۔ سعید کہتے ہیں کہ ہم نے قتادہ سے ان سکتوں کے بارے میں پوچھا وہ بولے ایک نماز میں داخل ہوتے وقت دوسرا قرأت سے فارغ ہو کر پھر کہا ولا الضالین سے فارغ ہو کر۔

حضرت قتادہ کی اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ بعض روایتوں میں مطلقاً بعد القرأت کا جو لفظ آیا ہے اس میں بھی مراد سورۂ فاتحہ کی قرأت ہے۔

ان دونوں روایتوں میں پہلے سکتہ میں تو یہ بات بالاتفاق تسلیم ہے کہ دعا ثنا پڑھی جاتی ہے جو پست آواز سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن ابی هريرة قال كان رسول الله ﷺ اذا كبر سكت بين التكبير والقرأة فقلت له ﷺ بابی انت وامی یا رسول الله اريتك سكوتك بين التكبير والقرأة اخبر ما تقول قال اللهم باعد الحديث"۷۳۔

میں نے تکبیر اور قرأت کے درمیان تھوڑی دیر تک حضور ﷺ کو خوش دیکھا عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ آپ کا چپ رہنا کیسا ہے؟ فرمایا: "اللھم باعد الیٰ آخرہ" پڑھتا ہوں۔

دوسرا سکتہ ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ آمین کہنے کے لیے تھا، تو ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سراً آمین کہتے تھے۔

سوال وجواب: کہا جاتا ہے کہ سکتہ آمین کہنے کے لیے نہیں تھا بلکہ سانس برابر کرنے کے لیے تھا، اولاً تو اس پر یہ گذارش ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل اور ظاہر کے خلاف ہے۔

ثانیاً: سانس برابر کرنے کے لیے تو رسول اللہ ﷺ ہر آیت پر وقفہ فرماتے تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"قالت كان رسول الله ﷺ تقطع قرأته يقول الحمد لله رب العالمين ثم يقف ثم يقول الرحمن الرحيم ثم يقف"۷۴۔

حضور ﷺ قرأت میں ہر آیت پر وقف کرتے، الحمد للہ رب العالمین کہتے پھر خوش رہتے، الرحمن الرحیم کہتے پھر خموش رہتے۔

تو اگر یہ دونوں سکتے بھی دم برابر کرنے کے لیے تھے تو ان کی خصوصیت کیا تھی کہ حضرت سمرہ اور

عمران رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کے بارے میں اختلاف پڑا اور حضرت ابی بن کعب کو فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں سکتے ان معروف سکتوں کے علاوہ تھے جن میں ایک ثنا کے لیے اور دوسرا آمین کے لیے تھا۔

تنقید مزید اور جواب: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آمین بالسر حضور سے ثابت نہیں، اس لیے وہ سکتہ آمین کا نہیں ہو سکتا۔ تو گزارش ہے کہ اس حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بجائے آمین بالجہر کے خموش رہتے۔

اور حدیثوں میں جس مقام پر آمین کا حکم ہے۔ انہیں میں وہاں سکوت اور خموشی کا حکم ہے کیونکہ حدیث مبارک کا صریح ترجمہ یہی ہے کہ آپ ''ولا الضالین'' کے بعد خموش رہتے۔ رہ گئی ''آمین بالسر'' کے ثبوت کی بات تو ہم نے طرفین کی پوری بات نقل کر دی ہے۔ جس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا ثابت ہے، اور کیا ثابت نہیں؟ کسی دوسرے کو لقمہ دینے کی ضرورت نہیں۔

(۳) ''لا تبادروا الامام اذا کبر فکبروا واذا قال ولا الضالین فقولوا امین'' (مسلم من حدیث ابی ھریرہ) ۷۵۔

امام پر سبقت نہ کرو جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو امام پر سبقت کرنے سے منع فرمایا اور جس چیز پر سبقت کی ممانعت کی اگر وہ جہری ہے تو حضور ﷺ نے خاص اسی کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً تکبیر میں فرمایا ''کبر فکبروا'' تکبیر امام جہری تھی تو خود اسی کا ذکر کیا اور اسی اصول پر اگر آمین بھی جہری ہوتی تو تکبیر کی طرح اس میں بھی حضور فرماتے: ''اذا امن فامنوا'' یہ نہ کہہ کر ''ولا الضالین'' پر محمول کرنا اس بات کا صریح قرینہ ہے کہ آمین بالجہر نہیں۔

اعتذار: چونکہ ایک دوسری حدیث میں آپ ''اذا امن الامام فامنوا'' فرما چکے ہیں اس لیے اس حدیث کے الفاظ ''اذا قال الامام ولا الضالین'' کے معنی بھی ''اذا قال الامام آمین'' مراد لیے جائیں گے۔ ۷۶

گزارش: یہ عذر ٹھیک مالکیوں کے قول کی طرح ہے جس کو انہوں نے اپنے استدلال کے سلسلہ میں کہا تھا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح ''اذا قال الامام ولا الضالین'' ثابت ہے۔ اس لیے روایت ''اذا امن الامام'' کی تاویل کی جائے اور اس کا مطلب ''اذا بلغ الامام موضع التامین''

قرار دیا جائے۔

پس کیا وجہ فرق ہے کہ آپ کی تاویل تو مقبول اور مالکیہ کی تاویل نامقبول اور مردود قرار دی جائے۔ رہ گیا یہ کہنا کہ یہ روایت اصل اور مشہور ہے۔ یہ تحکم اور قول بلا دلیل ہے۔ جب روایت ایک ہے تو کسی ایک لفظ کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا زیادتی ہے۔

نوع خامس عمل صحابہ و تابعین:

(۱) عن ابی هريرة قال ترك الناس التامين "۷۷۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا۔

یہ حدیث اصحاب جہر کی تائید میں ان کی طرف سے دلیل نوع سوم میں ہم مکمل لکھ آئے ہیں یہاں اصحاب سر کی تائید حدیث کے اس ٹکڑے سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے بارے میں یہ عموی اعتراف کرتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں نے آمین چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چھوڑنے والے بھی انہیں کی طرح صحابہ اور تابعین میں سے تھے پس اہل جہر اگر ایک ابوہریرہ کے قول سے سند پکڑ سکتے ہیں تو اہل سر کو اسی عہد کے جمہور کے قول سے کیوں تقویت نہیں پہونچ سکتی؟

رہ گئی یہ بات کہ اس حدیث کے راوی اسحاق بن ابراہیم زبیدی مجروح مقدوح ہیں۔ تو گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں تو فریقین برابر ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم مجروح ہیں تو دونوں کے لیے اور معتبر ہیں تو دونوں کے لیے۔

(۲) سليمان ابن شعيب الكيساني. على ابن معبد ، ابو بكر بن عياش ، ابو سعيد ، ابو وائل قال كان عمرو على لا يجهر ان بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتامين "۷۸۔

حضرت عمر فاروق وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ اعوذ باللہ اور آمین کو بالجہر نہیں کہتے تھے۔

یہ حدیث مبارک اس امر کا واضح بیان ہے کہ خلفائے راشدین میں دو امام برحق خلیفہ دوم وچہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک آمین بالسر تھا۔

استدراک: اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں ابوسعید بقال راوی ضعیف ہیں۔

"الجواب ان هذا الاثر ضعيف جدا فان سنده سعيد بن موزبان البقال "۷۹۔

سعید بقال کی وجہ سے یہ اثر بہت ضعیف ہے۔

جواب: بے شک ابوسعید کو محدثین کا ایک گروہ ضعیف کہتا ہے لیکن دوسرا گروہ ان کی تحسین بھی

کرتا ہے اوراپنی جوامع میں ان سے حدیث نقل کرتا ہے۔امام ترمذی نے اپنی صحیح جلد اول ص ۱۲۸ اور جلد دوم ص ۱۷۵ پر ان سے روایت کی اور فرمایا:

"ھذاحدیث حسن غریب من ھذا الوجه" ۸۰۔

یہ حدیث حسن ہے اوراس سلسلہ روایت سے غریب ہے۔

صاحب زوائد نے اپنی "مجمع" میں ان کی توثیق کی۔ ۸۱

خودامام ترمذی نے علل کبریٰ میں امام بخاری کا قول نقل کیا کہ وہ ابوسعید بقال کو مقارب الحدیث کہتے ہیں۔ ۸۲

اسی طرح ابن جریر طبری اور طبرانی سے بھی اس کی توثیق مروی ہے۔ خصوصاً اس حال میں کہ حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کے خلاف کوئی عمل بھی مروی نہیں بلکہ تائید ہی ملتی ہے۔

"عن ابراھیم قال قال عمر اربع یخفیھن الامام ، التعوذ و بسم الله و امین واللھم ربنا لك الحمد" ۸۳۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار چیزوں کے پست پڑھنے کا حکم آیا ہے۔اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

ایسی صورت میں حضرت بقال کی جرح کو بہانہ بنا کر ان کے اثر کو ترک کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔؟

علاوہ ازیں حدیث ابو ہریرہ بروایت ابن ماجہ، روایت علی وام حصین بھی ضعیف ہی ہیں اور ضعفا سے مروی ہیں۔لیکن اصحاب جہر اپنے مذہب کی تائید میں بے دھڑک ایسی روایتیں پیش کردیتے ہیں۔ آخر یہ دوہرا معیار انصاف کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔؟

(۳) ھیثم ، حصین ۔ مغیرہ عن ابراھیم النخعی

"قال یخفی الامام بسم الله الرحمن الرحیم والاستعاذة امین وربنا لك الحمد" ۸۴۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام بسم اللہ، اعوذ باللہ، آمین اور ربنا لک الحمد، کو اخفا کرے گا۔

محمد عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراھیم

"اربع یخافت بھن الامام سبحانك اللھم وبحمدك والتعوذ من الشیطان الرجیم وبسم الله الرحمن الرحیم و امین" ۸۵۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے گا سبحانک اللھم، اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین۔

"عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفض الامام التعوذ و بسم الله الرحمن الرحيم وامن واللّهم ربنا لك الحمد"۸۶۔

حضرت امام نخعی نے حضرت عمر سے روایت کی کہ امام چار چیزوں کو پوشیدہ کہے گا۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

یہ اثر مخالف کو بھی تسلیم ہے انکار اس بات سے ہے کہ یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں مقبول نہیں۔

اس پر گزارش یہ ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان احادیث مرفوعہ کی تائید میں پیش کیا گیا ہے جن سے آمین کا اخفاء ثابت ہے اور اس امر کی توضیح ہے کہ صحابہ وتابعین کا عمل بھی اخفاء آمین میں رہا ہے۔

"ان عمرو علياً يكونا ن لايجهران بآمين وقال الطبرى وروىٰ ذلك عن ابن مسعود وقال كنت مختارا اخفض الصوت بها اذ كان اكثر الصحابة والتابعين على ذلك"۸۷۔

بے شک حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آمین بالجہر نہیں فرماتے تھے اور امام طبری نے ابن مسعود سے بھی یہی نقل کیا۔ خود ان کا مختار بھی آمین بالسر ہی ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین کا یہی مسلک تھا۔

حضرت فاروق وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے تھا امام مجتہد امام طبری کے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بھی اخفا آمین ہی تھا بلکہ اکثر صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب بھی اخفا آمین ہی تھا۔ ان سب پر سنت کی مخالفت کا الزام لگانا بڑی جسارت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

نوع ششم دعویٰ نسخ: (۱) قال ابن مسعود وترك الناس الجهر بالتامين وما تركوه الا لعلمهم بالنسخ"۸۸۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کو چھوڑ دیا یہ چھوڑنا نسخ کی دلیل ہے۔ صحابہ علم نسخ کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے ثابت عمل کو نہ چھوڑتے۔

(۲) عن ابی هريرة رضى الله تعالى عنه قال ترك الناس بالتامين۔۸۹۔

لوگوں نے آمین چھوڑ دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اتنی آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف میں

سنائی دیتا۔

(۳) حضرت سفیان ابن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بالجہر مروی ہے وہ خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرتے تھے اور ان کا مذہب اخفائے آمین ہی تھا۔۹۰

پہلی اور دوسری روایت میں صحابہ و تابعین کا علی العموم آمین بالجہر کو ترک کرنے کا بیان ہے اور پہلی روایت میں یہ استدلال بھی قائم کیا کہ عام صحابہ و تابعین پر یہ الزام قائم کرنا کہ انہوں نے حدیث رسول پر عمل ترک کر دیا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ انہیں آمین بالجہر کے منسوخ ہونے کی اطلاع تھی اسی لیے انہوں نے جہر کی حدیث پر عمل ترک کر دیا۔

تیسری روایت میں اس امر کا بیان ہے کہ خود راوئ حدیث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب اور عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف تھا۔ اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں:

"نحن نحسن الظن به فلا يتوهم عليه انه يترك ما سمع من النبى ﷺ الا الىٰ مثله والا تسقط عدالتهٗ" ۹۱۔

ہم راوی کے ساتھ حسن ظن کریں اور اس پر یہ بدگمانی نہیں کریں گے کہ اس نے حضور ﷺ سے سنی ہوئی بات کو ترک کیا بلکہ یہ کہیں گے کہ اس نے اس لیے ترک کیا کہ اس کو معلوم ہو گیا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے اس سے ممانعت کر دی ہے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ مسئلہ دائرہ میں یہی تسلیم کیا جائے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں بھی یہ بات آ گئی تھی کہ آمین بالجہر کا حکم منسوخ ہے۔ جبھی انہوں نے ترک جہر کو اپنا مذہب بنایا۔

جواب: اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وائل بن حجر کی حدیث جس سے جہر ثابت ہے وہ موخر ہے کیونکہ دربار نبوت میں ان کی حاضری بالکل اخیر وقت میں ہوئی اس لیے نسخ کا دعویٰ غلط اور تحکم ہے۔

ہماری گزارش: اولاً یہ جواب اس وقت دیا جا سکتا ہے کہ مدعیانِ نسخ یہ تسلیم کرتے کہ جہر وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور وہ منسوخ ہے۔ لیکن ان کے نزدیک تو اس حدیث سے "سر" ثابت ہے اس لیے یہ حدیث تو خود ان کے دعوئ نسخ کی موید ہوئی۔

ثانیاً: صحابہ و تابعین کا یہ عمل عام جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

کیا ہے اور جس سے اصحاب "سر" نے نسخ کا استنباط کیا ہے وہ لازماً حضرت وائل بن حجر کی حدیث سے [illegible]

ہے۔

المختصر: اصحاب سر کا یہ کہنا ہے کہ آمین بالجہر کا مسئلہ ایک ایسا عامۃ الورود مسئلہ ہے کہ اگر واقعہ [illegible] دن میں تین بار ضرور دہرایا جاتا۔ جس کو روزانہ ہزارہا افراد سنتے بلکہ حج وغیرہ مواقع پر لاکھوں افراد [illegible] ہوتا اور اس کی بے شمار روایتیں ہوتیں۔ لیکن جہر کی صرف دو ضعیف روایتیں مولا علی اور ام حصین رضوان [illegible] علیہا کی اور ایک ضعیف روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضرت وائل [illegible] کی ایک روایت جو جہر اور سر کے درمیان مضطرب ہے۔ ادھر صحابہ کے عمل کا یہ حال ہے کہ اکثریت [illegible] جہر کرتی ہے۔ حد یہ کہ جن لوگوں نے جہر کی روایتیں کیں ہیں ان کا عمل اور مذہب بھی اس کے خلاف [illegible] بالسر کا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آمین بالجہر تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ سنت ہے صحابہ کرام [illegible] اکثریت نے سنت کے خلاف ترک جہر کیا نہ دین کے موافق ہے نہ دیانت کے سزاوار۔

اس لیے حقیقت امر یہی معلوم ہوتی ہے کہ آمین بالجہر کا حکم دراصل منسوخ ہو گیا ہے، جن لوگوں [illegible] نسخ کی خبر پہنچی انہوں نے جہر ترک کر دیا اور جو بے خبر رہے کرتے رہے۔ اس طرح دونوں گروہ صحابہ [illegible] عمل کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے اور اصل مسئلہ کا حکم بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

پس اصحاب نسخ پر تحکم کا حکم لگانا خود تحکم اور زیادتی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں اصحاب سر کے نزدیک آمین آہستہ کہنے کو ترجیح ہے اور وہ آمین بالجہر کو منع کرتے ہیں۔

اس لیے تمام مسلمانوں کو ہمارا نیک مشورہ یہی ہے کہ ورغلانے والوں کے دھوکہ میں نہ آئیں [illegible] مسئلہ خیر القرون میں طے نہ ہو سکا اور ائمہ مجتہدین جس میں متحد نہ ہو سکے آج چودہ سو سال کے بعد کون [illegible] کر سکتا ہے اور قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور اس کے خلاف غلط ہے۔ مختلف [illegible] مسائل میں تشدد سے احتراز ہی صحیح راستہ ہے۔ تمام مسلمان ادھر اُدھر کی باتیں چھوڑ کر اپنے امام کی پیروی کریں اور غیر مقلد کی لایعنی باتوں پر کان نہ دھریں کہ موجودہ دور میں یہی سلامتی کی راہ ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [الفاتحة: ۷] آمین

---

۱ (عینی ص ۴۸/ج ۶ / بیضاوی ص ۱۱) ۲ (عینی ص ۴۷/ج ۶)

۳ (بیضاوی ص ۱۱) ۴ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۵۷)

(عینی جلد۶ ص ۵۱) ۶ (عینی جلد۶ ص ۵۱)

(ایضاً) ۸ (ایضاً)

(نظام تعلیم وتربیت) ۱۰ (ایضاً)

(شامی جلد۲ ص ۳۰۹) ۱۲ (تقویۃ الایمان ص ۹/۱۰ ملخصاً)

(الاحادیث الثلثہ فی البخاری جلد اول ص ۱۵۷/۱۵۸)

(مرعات جلد۳ ص ۱۲۱ لعبید اللہ الرحمانی)

(عینی جلد۶ ص ۵۲) ۱۶ (قرآن عظیم)

(بخاری شریف جلد اول ص ۱۱۵) ۱۸ (عینی جلد۶ ص ۵۰)

(ترمذی جلد اول ص ۳۴) ۲۰ (ابوداؤد باب التابعین وراء الامام)

(ایضاً) ۲۲ (دار قطنی ص ۲۳۲ جلد اول، دوم)

(ترمذی جلد اول ص ۳۴) ۲۴ (دار قطنی ص ۳۲۲)

تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۶۴) ۲۶ (تقریب ص ۶۳)

(مرعات جلد۳ ص ۱۵۴) ۲۸ (عینی جلد۶ ص ۵۱)

نصب الرایہ جلد اول ص ۳۶۹/۳۷۰) ۳۰ (ترمذی جلد اول ص ۴۳)

زیلعی جلد اول ص ۳۷۰) ۳۲ (ترمذی جلد اول ص ۴۳)

(عینی جلد اول ص ۵۱) ۳۴ (تہذیب التہذیب)

(ابوداؤد ص ۱۰۰) ۳۶ (ترمذی باب القصص)

ترمذی جلد اول ص ۷۵) ۳۸ (عینی جلد۶ ص ۵۱)

(عینی جلد۶ ص ۵۱) ۴۰ (ذہبی)

(مرعاۃ المفاتیح جلد اول ص ۱۵۴) ۴۲ (ترجمہ ص ۴۰)

(تہذیب التہذیب جلد۷ ص ۱۶۴) ۴۴ (مرعاۃ جلد۳ ص ۱۵۴)

(معارف السنن جلد دوم ص ۳۰۹) ۴۶ (دار قطنی جلد اول ص ۲۳۷)

(میزان الاعتدال) ۴۸ (ابوداؤد جلد اول ص ۱۵۱)

(ابن ماجہ جلد اول ص ۶۲) ۵۰ نخبۃ الفکر ص ۶۲/۶۳)

(عینی جلد۵ ص ۵۱) ۵۲ (مرعاۃ جلد۳ ص ۱۵۴)

۵۳ تہذیب التہذیب ص/۱

۵۴ (مرعات، جلد ۳/ص ۱۵۳)

۵۵ (مرعاۃ، جلد ۳/ص ۱۵۳)

۵۶ (مرعاۃ، جلد ۳/ص ۱۵۱)

۵۷ (نسائی جلد اول، ص ۱۴۴)

۵۸ (مرعاۃ جلد ۳/ص ۱۵۲)

۵۹ (بخاری جلد اول، ص ۱۵۵)

۶۰ (مرعات، جلد ۳/ص ۱۵۳)

۶۱ (عینی جلد ۶/ص ۴۸)

۶۲ (عینی جلد ۶/ص ۵۳)

۶۳ (بخاری جلد اول/ص ۱۰۷)

۶۴ (مرعاۃ جلد ۳)

۶۵ (مرعاۃ جلد ۳/ص ۱۵۶)

۶۶ (بخاری شریف جلد اول، ص/۲۵۸)

۶۷ (مرعات سوم ص/۱۲۱)

۶۸ (نسائی جلد اول، ص/۱۴۷)

۶۹ (مرعات جلد تین ص/۱۲۱)

۷۰ (عینی جلد ۶/ص ۵۰/)

۷۱ (ابوداؤد جلد ۱/ص ۱۲۵)

۷۲ (ابوداؤد جلد ۱/ص ۱۲۵)

۷۳ (ابوداؤد جلد ۱/ص ۱۲۹)

۷۴ (مشکوٰۃ، ص ۱۹۱)

۷۵ (مرعاۃ جلد ۳/ص ۱۵۴)

۷۶ (مرعات جلد تین ص/۱۵۶)

۷۷ (ابن ماجہ جلد ۱/ص ۶۲)

۷۸ (طحاوی جلد ۱/ص ۱۲۰)

۷۹ (مرعات جلد ۳/ص ۱۵۵)

۸۰ (ترمذی جلد ۲/ص ۲۷۵)

۸۱ (زوائد طبع ہند، ص ۱۸۴)

۸۲ (نصب الرایہ جلد ۴/ص ۳۶۶)

۸۳ (ابن شیبہ جلد ۱/ص/۳۱۰)

۸۴ (ابن شیبہ، جلد اول/ص ۳۱۰)

۸۵ (کنز العمال جلد ۴/ص ۲۴۹)

۸۶ (جوہر النقی جلد اول/ص ۱۳۲)

۸۷ (جوہر النقی جلد اول/ص ۱۳۲)

۸۸ (عنایۃ المسلل حوالہ فتح القدیر اول/ص ۳۰۷

۸۹ (ابن ماجہ جلد ۱/ص ۶۲)

۹۰ (معارف السنن جلد ۲/ص ۴۰۹)

۹۱ (معانی الآثار جلد اول/ص ۱۳)